جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام	:	سلگتی ریت
شاعر	:	شکیل ردولوی
ناشر	:	شکیل ردولوی
پتہ	:	محلہ صوفیانہ، ردولی، ایودھیا
موبائل نمبر	:	9415753941
سن اشاعت	:	۲۰۲۶ء
تعداد	:	۴۰۰
کمپوزنگ	:	محمد عاقب فرقان
طباعت	:	نعمانی پرنٹنگ پریس، بارودخانہ، گولہ گنج لکھنؤ
قیمت	:	۲۵۰/- روپے

ملنے کے پتے

۱۔ شکیل ردولوی محلہ صوفیانہ، قصبہ وڈاک خانہ، ردولی، ضلع ایودھیا

۲۔ سلام گلاس اسٹور، محلہ کٹرہ، نزد مرکز مسجد، قصبہ وڈاک خانہ، ردولی، ضلع ایودھیا

۳۔ دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

۴۔ عارف علی بک سیلر، لطیف مارکیٹ، خیر آباد (سیتاپور)

Sulagti Ret (Poetry)

By : Shakeel Rudaulvi

First Edition 2026 Price Rs.250/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلگتی ریت

سلگتی ریت ہوں رحمت سے اپنی نم کر دے
مرے خدا مری مٹی کو محترم کر دے

شکیل ردولوی

انتساب

مشفق و مہربان والدین
حاجی شفیع اللہ صاحب مرحوم
حجن سمیع النسا صاحبہ مرحومہ
کے نام
جن کی محبت و شفقت اور
تعلیم و تربیت نے
مجھے اس لائق بنایا۔

یہ کتاب
اُتر پردیش اُردو اکادمی کے
مالی اشتراک سے شائع ہوئی
اس کتاب کے
مندرجات سے اردو اکادمی کا
متفق ہونا ضروری نہیں

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
الف	پیش گفتار شکیل ردولوی	۱۴
ب	شکیل ردولوی اور ان کی شاعری ڈاکٹر انور حسین خاں	۱۷
ج	شکیل ردولوی ایک خوبصورت شاعر اور خوش طبع شخصیت مولانا عمران احمد	۲۵
د	فکر کے سفر میں سرگرداں شکیل ردولوی تحسین منور	۳۲
ہ	شکیل ردولوی کی شاعری میں روایت کی پاسداری ڈاکٹر کلیم قیصر	۴۰
و	شکیل ردولوی: خود میں ایک انجمن شہیب کوثر ردولوی	۴۵
ز	نفس نفس کا ہے مالک وہ پالنے والا (حمد)	۴۷
ح	تو ہی ہے میرا آسرا مولا (حمد)	۴۸
ط	تاریخ کا جمال مرے مصطفیٰؐ کے بعد (نعت)	۵۰
ی	میرے آقا مرے سرکار مدینے والے	۵۱
ک	جب سے ہونٹوں پہ نعت نبی آ گئی (نعت)	۵۲
ل	اُس کی تقدیر بھی اوج پر ہوگئی (منقبت)	۵۳
م	نہ زور چلنے دیا ظلم کی عدالت کا (منقبت)	۵۴

ن	غزلیں	۵۵
۱	آگ نفرت کی لگاتے ہو غلط کرتے ہو	۵۶
۲	گھنے درخت کا یہ سائبان رہنے دو	۵۸
۳	دل فگار میں جینے کی آس رہنے دے	۶۰
۴	آہیں مظلوم کی سسکیاں دیکھئے	۶۱
۵	یہی زمین یہی آسمان بولے گا	۶۲
۶	تخریب کے خواہاں ہیں یہ معمار نہیں ہیں	۶۳
۷	اب چاند کے قریب وہ ہالے نہیں رہے	۶۴
۸	دیارِ محبت میں جب رات ہوگی	۶۵
۹	چمکتے چاند ستاروں کے درمیاں نکلے	۶۷
۱۰	دل نشیں چاند سے چہروں کی عطا یاد نہیں	۶۸
۱۱	عجب لوگ ہیں ہائے ہُو کر رہے ہیں	۷۰
۱۲	غفلت میں سو رہا تھا جگایا گیا مجھے	۷۲
۱۳	ہم سمندر ترے کاسے میں نہیں آئیں گے	۷۴
۱۴	زورِ قلم سے دیش کی جو شان ہو گئے	۷۵
۱۵	اندھیرے پھرتے ہیں بستی میں رقص کرتے ہوئے	۷۶
۱۶	پیار کے بادل محبت میں امنڈ آنے کے بعد	۷۸
۱۷	سو یا ہوں زندگی کی مسلسل تھکن کے بعد	۸۰
۱۸	کسی کی قدر گھٹانے سے کچھ نہیں ہوگا	۸۲
۱۹	کچھ مصلحت سے کام چلانا پڑا مجھے	۸۳

۲۰	نہ کوئی فکر نہ حزن و ملال کرتے ہیں	۸۵
۲۱	خود سے کرنا ہے اک سوال مجھے	۸۷
۲۲	جو حل نہ ہو سکے ایسا کوئی سوال نہیں	۸۹
۲۳	ہر ایک زخم کو پھولوں کی طرح پالا ہے	۹۰
۲۴	غموں کی بھیڑ ہے لیکن نہیں اداس ہوں میں	۹۱
۲۵	نہ کوئی ولولہ نہ دلکشی ہے	۹۲
۲۶	حالات کے تقاضے سے جو بے خبر ہوئے	۹۴
۲۷	اے مرے یار ہم سفر تنہا	۹۵
۲۸	اپنا جلوہ دکھا دیجئے	۹۷
۲۹	ایسے حالات بھی بنائے گئے	۹۹
۳۰	بہت محدود رکھتا ہوں میں اپنے دل کی خواہش کو	۱۰۱
۳۱	دھڑکنیں دل کی مری اور بڑھانے والا	۱۰۲
۳۲	منتظر ہوں میں اک زمانے سے	۱۰۲
۳۳	محسن و مہرباں نہیں رکھتے	۱۰۵
۳۴	کوئی گمنام کی صدا ہے وہ	۱۰۷
۳۵	جو چند ہوں تو گناؤں اے میرے یار فریب	۱۰۹
۳۶	دل کی وحشت سے ڈر گیا ہوں میں	۱۱۰
۳۷	ایسے حالات کے ستائے تھے	۱۱۲
۳۸	جلتا ہوا چراغ بجھا پائے گی نہیں	۱۱۴
۳۹	کوئی کھڑکی نہ کوئی در ہوگا	۱۱۵

۴۰	دور نفرت کا ہے عداوت کا	۱۱۶
۴۱	مری پشت پر ہے خندق مرے سامنے کنواں ہے	۱۱۹
۴۲	وفا کے نام پہ پیہم ستم نہیں بھولا	۱۲۰
۴۳	وہ اگر ہم سفر نہیں ہوتے	۱۲۲
۴۴	کیسے زباں سے کہہ دوں کہ تیرا کرم نہیں	۱۲۴
۴۵	بہاروں میں مہکتے پھول کی اک انجمن ہم ہیں	۱۲۵
۴۶	عشق میں اس کی آن بان کے ساتھ	۱۲۶
۴۷	زندہ ہو زندگی کی بات کرو	۱۲۸
۴۸	دل کی وادی میں اجالا بھیج دے	۱۲۹
۴۹	ذہن و دل کو عشق میں مہکائے گا تیرا خیال	۱۳۰
۵۰	کج ادا بے حسی چھپائے ہوئے	۱۳۱
۵۱	دل کے زخموں کو بھی ہر حال میں بھر جاتا ہے	۱۳۳
۵۲	پرسکوں زندگی محبت کی	۱۳۴
۵۳	حالات کی گردش پہ نظر ہے کہ نہیں ہے	۱۳۵
۵۴	احسان اس کے حسن کا ہے کائنات پر	۱۳۷
۵۵	راستہ خوشبوؤں سے بھر جائے	۱۳۸
۵۶	گردش وقت پر نظر رکھئے	۱۴۰
۵۷	اپنی منزل سے بے خبر ہوں میں	۱۴۲
۵۸	کوئی حقیر نہ کمتر دکھائی دیتا ہے	۱۴۴
۵۹	کاش ہم حسینوں سے دوستی نہیں کرتے	۱۴۶

۶۰	مہکی مہکی بہار آنے دو	۱۴۷
۶۱	اس زیست کا اپنی بس اتنا ہی فسانہ ہے	۱۴۹
۶۲	پھول کی طرح اس کو پالا ہے	۱۵۰
۶۳	مٹی جو یہ گیلی ہے	۱۵۲
۶۴	گر جائیں کہیں آپ نہ عجلت میں پھسل کر	۱۵۴
۶۵	فاقہ مستی میں بھی کردار بنا دیتا ہے	۱۵۶
۶۶	سلگتی ریت ہوں رحمت سے اپنی نم کر دے	۱۵۷
۶۷	دلوں کے درد کی بیتابیاں کچھ ایسی ہیں	۱۵۸
۶۸	میکدے عشق کے بازار نظر آتے ہیں	۱۵۹
۶۹	موسم کے رنگ و روپ میں کچھ دلکشی کہاں	۱۶۰
۷۰	اپنے کردار کو آئینہ بنایا جائے	۱۶۱
۷۱	حالات کے تقاضے پہ اس کی نظر نہیں	۱۶۲
۷۲	کسی بھی بات کا اس پر اثر نہیں ہوتا	۱۶۳
۷۳	کبھی مونس کبھی محسن کبھی اغیار دیتی ہے	۱۶۴
۷۴	آج یہ عام بات کرتے ہیں	۱۶۵
۷۵	کسی کے ساتھ میں ہنسنا تھا مسکرانا تھا	۱۶۶
۷۶	دلِ ناداں کو کسی طور سے بہلانے کو	۱۶۷
۷۷	جب تک تمہارے عشق میں رسوا ہوا نہ تھا	۱۶۸
۷۸	ہماری شیشہ گری پر سوال آ جائے	۱۶۹
۷۹	بھٹک رہا ہوں اندھیروں میں روشنی کے لئے	۱۷۰

۸۰	نہ کوئی راہ نہ رہبر تلاش کرتا ہے	۱۷۱
۸۱	اس قدر عشق میں بیمار نہیں ہو سکتا	۱۷۲
۸۲	تیر خنجر سے نہ تلوار سے ڈر لگتا ہے	۱۷۴
۸۳	چلتے چلتے جو تھک گیا سورج	۱۷۵
۸۴	احساسِ کمتری سے اگر چھوٹ جاؤ گے	۱۷۶
۸۵	مری وفاؤں کا وہ حق ادا نہیں کرتے	۱۷۷
۸۶	کچھ عجب میری داستان ہوئی	۱۷۸
۸۷	سرسراتی ہوا جانے کیا لے گئی	۱۷۹
۸۸	رنج دل پر نہ زمانے کے کوئی آنے دے	۱۸۰
۸۹	وہ اس ادا سے مری زندگی میں آئے ہیں	۱۸۱
۹۰	اپنا بلندیوں پہ سفر دیکھتے رہے	۱۸۳
۹۱	عنبر و عود کی خوشبو میں بسا ہو جیسے	۱۸۴
۹۲	وہ لفظ لفظ ہزاروں کی بات کرتا ہے	۱۸۵
۹۳	سونا پڑا ہے عشق کا بازار دیکھئے	۱۸۶
۹۴	مرتا ہے کوئی اب کہاں کردار کے لئے	۱۸۸
۹۵	مایوسی مجھے غم کی کہانی سے نہیں ہے	۱۹۰
۹۶	ضمیر و ظرف کو بیچا نہیں کبھی میں نے	۱۹۱
۹۷	آپ کے حسن میں اندازِ شرافت ہے بہت	۱۹۲
۹۸	خیالوں میں ابھری ہے تصویر غم کی	۱۹۳
۹۹	سنہرے حرفوں سے لکھا نصاب ہے اردو	۱۹۴

۱۰۰	جذبۂ شوق بھی پھیکا نہیں ہونے دینا	۱۹۵
۱۰۱	پھول کلیوں کی یہ ادا ٹھہرے	۱۹۶
۱۰۲	دل کی حسرت تھی زندگی مجھ کو	۱۹۸
۱۰۳	چاندنی، بیلا، چنبیلی کہ سمن آنکھوں میں	۱۹۹
۱۰۴	دل میں کیا درد ہے کچھ یہ بھی بتایا ہوتا	۲۰۰
۱۰۵	دل کے زخموں کا اشتہار نہ کر	۲۰۱
۱۰۶	نغمۂ نسیم صبح نے ایسے سنا دئے	۲۰۲
۱۰۷	آندھیوں میں بھی محبت کا دیا جلتا ہے	۲۰۴
۱۰۸	اشک سے آستیں بھگوئے گا	۲۰۵
۱۰۹	مٹی کو سونا کرتے ہیں دست ہنر سے ہم	۲۰۶
۱۱۰	جشن گھر گھر میں مناؤ کہ دوالی آئی	۲۰۷
۱۱۱	اچھی صحبت میں برے لوگ بدل جاتے ہیں	۲۰۸
۱۱۲	ان کی نظر کے جب سے طلب گار ہو گئے	۲۰۹
۱۱۳	جس کی آنکھوں میں چمک پاؤں میں چھالا ہوگا	۲۱۰
۱۱۴	خیالوں کی وادی کو مہکا رہے ہیں	۲۱۱
۱۱۵	کس قدر خود میں پارسا ہوگا	۲۱۲
۱۱۶	راستہ دیکھ کر وہ چلتے ہیں	۲۱۴
۱۱۷	دلِ شکستہ کو حاصل ابھی قرار نہیں	۲۱۵
۱۱۸	تری ہر ادا دل سے پیاری لگے	۲۱۶
۱۱۹	کبھی حال پوچھے نہ کوئی کسی کا	۲۱۷
۱۲۰	اندھیروں کو کھلتا ہے دیپک کا جلنا	۲۱۹

۱۲۱	اتر بھی جائے گا یہ نشۂ سرور ترا	۲۲۰
۱۲۲	منزل سے اپنی بھٹکی کبھی زندگی نہیں	۲۲۱
۱۲۳	بھولی بسری سی کوئی بات کہاں ہوتی ہے	۲۲۲
۱۲۴	لب کشائی میں صنم اپنی ہی رسوائی ہے	۲۲۳
۱۲۵	جہاں کی ہر خطا کا میرے سر الزام آتا ہے	۲۲۴
۱۲۶	ہمارے دیش کی سب آن بان باقی ہے	۲۲۵
۱۲۷	کانٹا غم حیات کا دل سے نکال دے	۲۲۶
۱۲۸	عشق کا گیت گا کے دیکھ لیا	۲۲۷
۱۲۹	سلگتی ریت کے اندر نمی تلاش کرو	۲۲۸
۱۳۰	بزم ہستی کو سجاؤں گا چلا جاؤں گا	۲۳۰
۱۳۱	بڑھ کر ہماری وقت نے تقدیر چوم لی	۲۳۲
۱۳۲	یہ التجا ہے آپ سے اک عاجزی کے ساتھ	۲۳۳
۱۳۳	زندہ ہو زندگی کی بات کرو	۲۳۵
۱۳۴	حسن نظر سے آپ یہ تحریری دیکھئے	۲۳۶
۱۳۵	جھوٹی باتوں سے انحراف کرو	۲۳۷
۱۳۶	لگتا نہیں ہے دل مرا اپنے چمن سے دور	۲۳۹
۱۳۷	اُس نے وفا خلوص کی تحریر بیچ دی	۲۴۰
۱۳۸	جب محبت ہماری عام ہوئی	۲۴۱
۱۳۹	آنکھوں میں اس کی پیار کے جذبات دیکھ کر	۲۴۲
۱۴۰	جھونکے صرصر کے جو چلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے	۲۴۴
۱۴۱	م قدم پہ محبت کے دیپ جلتے ہیں	۲۴۵

۱۴۲	الجھن تپش ہراس کی سوغات دے گیا	۲۴۶
۱۴۳	رہ گزر مہکے بام و در مہکے	۲۴۷
۱۴۴	وہ کرم بار دگر ہو یہ ضروری تو نہیں	۲۴۸
۱۴۵	سو گئے افضل و برتر تو یہ کمتر جاگے	۲۵۹
۱۴۶	لبوں پر میر کی غزلیں کبھی میرا کی بانی ہے	۲۵۰
۱۴۷	دوستوں سے دُشمنی اچھی نہیں	۲۵۱
۱۴۸	قدم قدم پہ نئے انقلاب لکھتا رہا	۲۵۲
۱۴۹	بہاروں میں مہکتے پھول کی اک انجمن ہم ہیں	۲۵۳
۱۵۰	دل کے زخموں کو بھی ہر حال میں بھر جانا ہے	۲۵۴
۱۵۱	دل نشیں چاند سے چہروں کی عطا یاد نہیں	۲۵۵
۱۵۲	صدائیں دیتی ہیں منزل کی سیڑھیا مجھ کو	۲۵۷
۱۵۳	مجھ کو عزیز ہے وہ مری جان کی طرح	۲۵۸
۱۵۴	جدید طرز کے دیوار و در نکل آئے	۲۶۰
۱۵۵	محبت کے نغمے سنانے سے پہلے	۲۶۱
۱۵۶	محبت کے سارے بھرم توڑ دوں گا	۲۶۲
۱۵۷	مہکی ہوئی فضاؤں کی تاثیر بھیج دے	۲۶۳
۱۵۸	اندھیری رات کے سائے نہ روشنی اپنی	۲۶۴
۱۵۹	کہیں غم کے سائے کہیں پر خوشی ہے	۲۶۵
۱۶۰	قطعات	۲۶۷

❑❑❑

شکیل ردولوی

پیش گفتار

قدیم زمانے سے شہر حق ردولی شریف اردو ادب کا گہوارہ رہا ہے، یہاں ہمیشہ ادبی محفلوں کا انعقاد ہوتا رہا ہے جسے دیکھ کر میرے اندر بھی بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ ابتدائی دور میں جب میں مدرسے میں پڑھتا تھا، مدرسے یا اس کے قرب و جوار میں کوئی محفل ہوتی تھی تو ضرور شریک ہوتا تھا نعتیہ کلام پیش کرتا، اسی شوق و ذوق نے شاعر بنا دیا، جب میں نے شعر و شاعری کی دنیا میں قدم رکھا اس وقت ردولی میں قد آور شاعروں کی ایک بڑی فہرست تھی جس میں حضرت مولانا رئیس الشاکری، تقی شبر نما ردولوی، خان عزمی ردولوی، شاہ اقبال، پنڈت ماتر دت کیف، نذیر انصاری، حاجی رضا ردولوی، زائر ردولوی، عظیم خالب صاحبان جیسے عظیم شعرا سخن وری میں اپنی شناخت آپ رکھتے تھے۔ 1992ء میں ردولی شریف کی عظیم ادبی شخصیت خان عزمی ردولوی نے ایک طرحی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد کیا، مشاعرے میں مقامی اور بیرونی شعرائے کرام نے شرکت کی، خاکسار نے بھی ایک نعتیہ کلام پیش کیا، خوب پزیرائی ملی، اسی محفل میں رئیس الشاکری صاحب شریک تھے، مشاعرے کے اختتام پر کہنے لگے شکیل! مجھے ہمیشہ یہ فکر لاحق رہتی تھی کہ ہم لوگوں کے بعد ردولی میں شعر و سخن کا کیا ہوگا؟ شکیل! تم کو دیکھ کر اور کلام سن کر یہ تشویش ختم ہو گئی اور احساس ہو گیا کہ شہر حق ردولی شریف میں شعر و سخن کا مستقبل تاریک نہیں بلکہ روشن و تابناک ہے۔ مشام جاں کو معطر کرنے والے حوصلہ افزا کلمات اس قدر دل میں جاگزیں ہوئے کہ شعر و شاعری اور سخن وری سے جنون کی حد تک عشق ہو گیا

سخن وری کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی گہرا رشتہ تھا، سیاست ورثے میں ملی تھی والد گرامی مرحوم حاجی شفیع اللہ صاحب گرام بکاول کے پردھان تھے، 1995ء میں سیاست کی باگ ڈور سنبھالی پہلی مرتبہ نگر پالیکا پریشد ردولی صوفیانہ وارڈ سے انتخاب میں حصہ لیا بفضلہٖ تعالیٰ کامیابی مقدر ہوئی اور اسی طرح لگاتار پانچ مرتبہ سبھاسد منتخب ہوا اور ایک مرتبہ وائس چیئرمین بھی منتخب ہوا جس کے نتیجے میں چیئرمین جبار علی اور عباس علی زیدی ایم ایل اے ردولی جیسے نامور سیاستدانوں کی سرپرستی بھی حاصل رہی، اور انہیں کی سرپرستی میں ایک درجن سے زائد آل انڈیا مشاعروں کا انعقاد ہوا جس کی کنوینر شپ خاکسار کے ذمہ رہی، مشاعرے میں ہندوستان کے مشاہیر شعرائے کرام کی شرکت رہی، موجودہ وقف میں درس وتدریس سے وابستگی ہے ان تمام تر مصروفیات کے باوجود میں نے شعروسخن کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور گاہے گاہے کلام کہتا رہا انہیں کدوکاوش کے نتیجے میں میرا شعری مجموعہ بنام ''سلگتی ریت'' منظر عام پر آرہا ہے۔ اس نعمت پر سب سے پہلے میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکرگزار ہوں جس نے شعرگوئی کی صلاحیت سے نوازا، بعدہٗ مشکور ہوں استادمحترم رئیس الشاکری صاحب کا جنہوں نے اس جوہر کو صیقل کرنے میں مدد کی، اس کے علاوہ حضرت تقی شبر نما ردولوی، شمیم حیدر ردولوی، نذیر انصاری، رضا ردولوی صاحبان کا مشکور وممنون ہوں جن کی رہنمائی مشعل راہ ثابت ہوئی بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ڈاکٹر انور حسین خاں اور عمران مرزا پوری، سید تحسین منور، ڈاکٹر کلیم قیصرؔ صاحبان کو فراموش کر جاؤں، میں موصوفین کا بے حد شکرگزار ہوں جنہوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت نکال کر تبصرہ فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

خاکسار کے زیر اثر تقریباً 32 سال سے چلنے والی تنظیم بنام ''انجمن تعمیرِ ادب'' کے اراکین ومتوسلین کا بھی بے حد شکرگزار ہوں خصوصاً کمیٹی کے جنرل سکریٹری شہیب کوثر ردولوی صاحب کا ساتھ ہی معاصرین شعرا میں سے سید تحسین منور، نافع کمیل علیگ، عمرانؔ

علی آبادی، شاہد صدیقی، تابش ردولوی، کاوش ردولوی، مجیب ردولوی،، نثار ردولوی، ارشد سعد ردولوی، علیم کشش، جون خادم، ملک جاوید سپنا ردولوی، اسد عثمانی، عامر فیضانی صاحبان کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے میرے حوصلوں کو پرِ پرواز عطا کئے اور مجموعے کو منظر عام پر لانے کے سفر میں ساتھ ساتھ رہے۔ ڈاکٹر کلیم قیصر کا شکرگزار ہوں جنہوں نے میری شاعری پر گراں قدر مضمون تحریر کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ ساتھ ہی بے حد مشکور وممنون ہوں استاد شاعر مجیب صدیقی گونڈوی صاحب کا ساتھ ہی استاذ الشعراء ڈاکٹر محمورؔ کاکوروی صاحب کا جنہوں نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا، ساتھ ہی مشکور وممنون ہوں اپنے بھانجے عزیزم حافظ وقاری مولانا احتشام الحق مصباحی گولڈ میڈلسٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا جنہوں نے شعری مجموعہ کی تیاری میں قدم قدم پر ساتھ دیا خدائے پاک ان سب کے مال ومنال میں کثیر برکتیں عطا فرمائے، حوادث سے محفوظ رکھے، انھیں اور سارے مسلمانوں کو اپنے رضوان وغفران سے نوازے۔

یہاں یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس مجموعے میں زیادہ تر طرحی کلام شامل ہے، دقیق اور ثقیل الفاظ سے گریز کیا گیا ہے اور کافی حد تک مجموعے کو شعری خامیوں سے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، سلاست، روانی اور تخیل کی بلندی پر زور دیا گیا ہے، اس کے باوجود بھی کوئی خامی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے مشکور ہوں گے۔

خاکسار
شکیل ردولوی
محلہ صوفیانہ، ردولی شریف
ضلع اجودھیا
موبائل نمبر 9415753941

ڈاکٹر انور حسین خاں

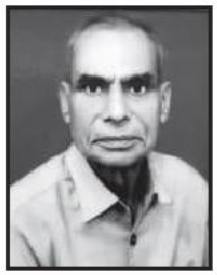

شکیلؔ ردولوی اور ان کی شاعری

ردولی کے مایۂ ناز سپوت اور اردو زبان و ادب کی ایک عظیم شخصیت پروفیسر شارب ردولوی مرحوم نے ۱۹/اکتوبر ۲۰۲۱ء کو مریم آئی ہاسپٹل (لائنس کلب ردولی) میں اپنے ہم وطن ممتاز ترقی پسند شاعر مجازؔ ردولوی کی ۱۱۰ ویں یوم ولادت کے موقع پر بڑی پتے کی بات کہی تھی، جو سنہرے حروف میں لکھی جانے لائق ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ردولی کی مٹی، ردولی کے لیے مٹی ہے، لیکن باہر کے لیے سونا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خطۂ اودھ کی اس تاریخی بستی نے ہر ایک شعبۂ حیات میں اپنی بیش بہا خدمات کی بدولت انسانی تاریخ میں اپنے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ یہ امر ہم سب کے لیے باعث مسرت وطمانیت ہے کہ یہاں آج بھی فتوحات وکمالات کا سلسلہ بدستور جاری و ساری ہے۔ بجا طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قدیم لیکن عظیم بستی کے باشعور، غیور اور دانش مند افراد اپنے اسلاف عظام کی شاندار روایات اور بیش قیمت اصول و اقدار کے صحیح معنوں میں امین و پاسدار ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دنیائے علم وادب میں ردولی کی اہمیت و شراکت اپنی جگہ نہایت مضبوط اور مستحکم رہی ہے۔ بقول پروفیسر شارب ردولوی:

''ردولی کی ادبی وتہذیبی تاریخ لکھی جائے تو اس کا ادبی CONTRIBUTION کسی طرح بھی بعض بڑے شہروں سے کم نہیں ہوگا۔''

(بحوالہ ترقی پسند شعری فکر اور اردو شعرا ص ۳۶۰، ۲۰۱۸ء)

ہم یہاں کہنے میں بجا طور پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ ماضی قریب میں یہاں ایسے شعراء، ادباء اور صحافی گزرے ہیں، جن کے ذکر کئے بغیر اردو ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ موجودہ عہد میں بھی بعض ناموافق حالات کے باوجود یہ بستی شہر علم وادب کا مقام اور مرتبہ رکھتی ہے۔ یہاں کے فعال اور متحرک شعراء اپنی اپنی انجمنوں کے توسط سے شعر وادب کی زُلفوں کو سنوارنے اور سجانے میں منہمک رہتے ہیں، تواتر کے ساتھ ماہانہ طرحی وغیر طرحی نشستوں کا بھی اہتمام ہوتا ہے، جن میں شعراء پابندی سے شریک ہوکر طبع آزمائی کرتے ہیں، جس کی رپورٹیں اخبارات میں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ شعر وسخن کے انہیں پرستاروں میں جناب شکیلؔ ردولوی نہایت خلوص وسنجیدگی کے ساتھ اردو شاعری کی نمایاں طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں، جس کے سبب دور ونزدیک آپ کے نام اور کام (NAME AND FAME) سے نہ صرف لوگ واقف ہیں بلکہ آپ کی شعری صلاحیتوں کو بہ نظر تحسین دیکھتے ہیں۔ برسبیل تذکرہ یہاں یہ لکھنا نامناسب نہ ہوگا کہ ''کورونا'' کے عالمی وبائی مرض کے موضوع پر ۲۰۲۱ء میں مولانا عظیم ندوی صاحب (مقیم حیدرآباد) نے ایک کتاب ''کورونائی ادب'' مرتب اور شائع کی تھی، جس میں مذکورہ موضوع پر دیگر مشاہیر شعرائے کرام کے کلام کے ساتھ ساتھ آپ کی اپنی اس بستی کے معتبر وقابل قدر شاعر جناب شکیلؔ ردولوی کا بھی ایک شعر درج ہوا ہے، جو اس طرح ہے ؎

محبتوں کی چمکتی ہوئی نظر میں رہیں
یہ مشورہ ہے مرا آپ اپنے گھر میں رہیں

اردو کے ممتاز صحافی وادیب جناب پروانہ ردولوی مرحوم نے ۲۰۱۴ء میں ایک کتابچہ بعنوان ''رُدولی کا نیا ادبی منظر نامہ'' مرتب اور شائع کیا تھا جس میں شاعر موصوف

کے تعلق سے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ شکیلؔ ردولوی تیزی کے ساتھ اپنی شعری صلاحیتوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اسی کتابچے میں آپ کی ایک غزل بھی شائع ہوئی ہے جس کا ایک شعر خود شاعر موصوف کی زندگی کا ترجمان ہے۔

سمٹ کے آگئی کاغذ پہ زندگی اپنی
میں لمحے لمحے کا سارا حساب لکھتا رہا

شکیلؔ صاحب نے جب سے شاعری کا آغاز کیا ہے، تبھی سے آپ کی تخلیقات وقتاً فوقتاً رسائل واخبارات میں جگہ پاتی رہی ہیں جس کی قارئین تعریف وستائش بھی کرتے رہے ہیں۔ برسبیل تذکرہ شاعر موصوف نے اس راقم السطور کو بتایا کہ ۲۰۰۰ء میں اردو دنیا کا مشہور اخبار ''نئی دنیا'' ہفتہ وار (نئی دہلی) میں آپ کی غزل شائع ہونے پر بقول پروانہ صاحب (جو اس وقت مذکورہ کے شعبۂ ادارت میں شامل تھے) قارئین نئی دنیا نے اسے بہت پسند کیا تھا۔ بہ طور نمونہ اسی غزل کے دو شعر نذر قارئین ہیں۔

چلتے چلتے جو تھک گیا سورج
شب کے دامن میں جا چھپا سورج
خوشبوؤں نے جگا کے مجھ سے کہا
اٹھئے آنگن میں آگیا سورج

ابھی حال میں ۱۳/اپریل ۲۰۲۵ء کو روزنامہ ''انقلاب'' لکھنؤ میں آپ کی غزل شائع ہونے پر بہت سے قارئین نے بذریعہ ٹیلی فون آپ کو داد وتحسین سے نوازا تھا۔ اسی غزل کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

وہ جو میخانے کے آداب سے واقف ہی نہیں
جام اس کو بھی پلاتے ہو غلط کرتے ہو

جن کی آنکھوں میں نہیں نورِ بصارت باقی
آئینہ ان کو دکھاتے ہو غلط کرتے ہو

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شکیلؔ صاحب تواتر کے ساتھ مشق سخن جاری رکھے ہیں۔ آپ کی ایک ادبی تنظیم ''انجمن تعمیر ادب'' ہے، جس کے توسط سے باقاعدہ طرحی وغیر طرحی نشستیں منعقد ہوتی رہتی ہیں، مزید برآں وطن میں اب تک ادھر منعقد ہو چکے آل انڈیا مشاعروں میں بھی آپ کا نمایاں رول رہا ہے۔ ان مشاعروں میں آپ میزبان اناؤنسر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ادبی تقریبات کے موقعوں پر جب جب یہاں یادگاری مجلّے شائع ہوئے ہیں، تو ان میں آپ کا کلام ضرور شامل اشاعت رہا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا کہ آپ ردولی کے موجودہ دور میں ایسے شاعر ہیں، جو شعر وسخن کی سرگرمیوں سے عملاً وابستہ رہ کر بھی مقامی چناوی سیاست میں فعال اور متحرک رہے ہیں، جس کے نتیجے میں آپ متعدد بار نگر پالیکا کے ممبر (سبھا سد) منتخب ہوئے، اور ایک بار اس کے وائس چیرمین کے عہدے پر بھی فائز رہے ہیں۔ لیکن ادھر آپ کچھ عرصے سے ان چناوی سرگرمیوں سے دست بردار ہو چکے ہیں، اور فی الوقت محکمۂ بیسک تعلیم میں درس وتدریس جیسے مقدس پیشے سے وابستہ ہیں۔

شکیلؔ صاحب کی شخصیت کی نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ آپ نے برسوں کی صحبت و تربیت میں رہ کر کسب فیض کیا ہے، جس کا اثر آپ کی شخصیت اور شاعری دونوں میں نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ بلاشبہ موصوف ایک تعلیم یافتہ، مہذب، شائستہ اور سنجیدہ انسان ہیں، ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے اعمال، اخلاق وکردار سے اچھا ہوگا، تبھی اس کے خیالات، احساسات اور جذبات بھی صاف، صحت منداور تعمیری ہوں گے۔ آپ کے شعری افکار سے آپ کی مثبت سوچ، دردمندی اور حساسیت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے کلام میں اعتماد کی کمی نہیں۔ مزید برآں حق گوئی اور ژرف نگاہی بھی آپ کے یہاں موجود ہے۔ آپ کی

غزلیں انسانیت وشرافت اورتہذیب وشائستگی کی باتیں کرتی ہیں، دردمندی کا درس دیتی ہیں، اور وطن عزیز سے محبت واُلفت کا پیغام دیتی ہیں۔غرض کہ آپ کا ہر شعر جہاں سچا اور کھرا ہوتا ہے، وہیں بلاشبہ بصیرت افروز بھی ہوتا ہے۔نموتناً چنداشعار حاضر خدمت ہیں۔

میں اہل دل ہوں محبت سے پھول دو مجھ کو
میں کیا کروں گا یہ تیر و کمان رہنے دو
نہ ڈھا وَ ظلم نہ ماحول نفرتوں سے بھرو
پُر امن و پیار کا ہندوستان رہنے دو

....

میرے گلشن کی یہ روداد لکھی ہے کس نے
خوں میں ڈوبے ہوئے اخبار سے ڈر لگتا ہے

....

غریب شہر تو برباد ہو گئے لیکن
امیر شہر کے ارماں ابھی کہاں نکلے

اس بات میں شک نہیں کہ شاعر نہایت حساس اور دردمند ہوتا ہے، وہ جو کچھ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور سمجھتا ہے، اسے من وعن اشعار کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔شکیل صاحب کے یہاں بھی یہی عمل نہایت خوبی کے ساتھ موجود ہے۔آپ نے اپنے تجربات، محسوسات، مشاہدات نیز قلبی وخارجی واردات کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے کلام میں منتقل کیا ہے۔چنداشعار ملاحظہ فرمائیے۔

نفرت کے یہ بادل ابھی کچھ اور چڑھیں گے
تبدیلیِ موسم کے کچھ آثار نہیں ہیں

....

انسانیت بے گور و کفن دفن ہو گئی
بستی کے لوگ ہندو مسلمان ہو گئے

بدلی تہذیب ہے خدا جانے
آنے والے دنوں میں کیا ہوگا

شکیل کی شاعری کے مطالعے وجائزے سے ہم پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ جہاں آپ نے اپنی شاعری میں جدید رنگ کو اپنایا ہے وہیں روایت پسندی کے دامن کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔دراصل دونوں زندگی کے حسین امتزاج سے عجیب کیف ولطف محسوس ہوتا ہے۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی غزلوں میں جہاں مشاہدۂ حیات کا رنگ غالب ہے، وہیں رومانیت کے پہلو بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔بہ طور نمونہ چنداشعار پیش خدمت ہیں۔

عشق کیا ہے سمجھنا ہے گر آپ کو
گل سے لپٹی ہوئی تتلیاں دیکھئے

....

چاند سورج نہ ستاروں کی مجھے کچھ خواہش
زندہ رہنے کے لیے تیری محبت ہے بہت

....

اُن سے نظریں ملی تھیں شام ڈھلے
ہم خیالوں میں رات بھر مہکے
اس کا چہرہ گلاب ہو جیسے
اس کو دیکھوں تو ہر نظر مہکے

شکیل کی شعری کائنات میں بہ طور خاص ہمیں اولوالعزمی، زندہ دلی، بلند ہمتی نیز حوصلوں اور اُمنگوں کو ہمیشہ جوان رکھنے جو پیغام ملتا ہے، وہ دراصل کسی فرد یا معاشرے کے لیے ازبس ضروری ہے، چنداشعار نذر قارئین ہیں۔

چراغِ عزم ہوں میں حوصلوں سے روشن ہوں
دیے وہ اور ہیں جو آندھیوں سے ڈرتے ہیں

.....

گھر سے قدم نکالو تو زندہ دلی کے ساتھ
قدموں کو لوگ چومیں گے فرط خوشی کے ساتھ

.....

پختہ ہے مرا عزم تو ہمت بھی جواں ہے
ہم ریت کی گرتی ہوئی دیوار نہیں ہیں

شاعر موصوف اپنے تاثرات کو بڑی فنی چابک دستی لیکن نہایت سادگی کے ساتھ شعری جامہ پہنا دیتے ہیں۔ آپ کے کلام میں نہ تو پیچیدگی ہے اور نہ ہی عدم ترسیلیت کا مسئلہ۔ دراصل آپ کے اشعار ایسے ہوتے ہیں، جو پڑھتے یا سنتے ہی دل میں اتر جاتے ہیں۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

دولت جو پاس آئی تو شجرہ بدل گیا
پہلے تھے کوئی اور وہ اب خان ہو گئے

.....

جھوما ہوگا خوشی سے بوڑھا شجر
پھول جب شاخ پر کھلا ہوگا

.....

ہے بھروسہ جو اس کی رحمت پر
نہ کبھی بے بسی کی بات کرو

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شکیل صاحب نے اپنی غزلوں میں محتاط انداز اور سنبھالا ہوا رویہ اختیار کیا ہے۔ آپ کے کلام میں کہیں بھی ابتذال یا سوقیانہ پن نظر نہیں آتا ہے، حتیٰ کہ عشق و وارفتگی کے معاملات میں بھی نہایت سلیقہ، حسن اور ادب دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کے یہاں بہ طور خاص روایاتِ غزل کی پاسداری بھی دیکھنے کو ملتی ہے، جو ہمارے نزدیک بہ حیثیت شاعر آپ کی کامیابی کی ایک روشن دلیل ہے۔

خوشی کا مقام ہے کہ شکیل کا ایک کا مجموعۂ کلام بعنوان ''سلگتی ریت'' عنقریب شائع ہو رہا ہے۔ آپ کے شعری مجموعہ کی اشاعت کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہم شاعر موصوف کو دل کی گہرائیوں سے تہنیت و مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ آپ کے شعری مجموعہ کی اشاعت سے ردولی کے موجودہ دور کا شعری منظر نامہ مزید خوب صورت، دل کش اور ثروت مند ہوگا، ایسا مجھے یقین ہے۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے سچ فرمایا ہے ؎

نہ ہو اقبال نا امید اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زر خیز ہے ساقی

ڈاکٹر انور حسین خاں
یکم جولائی ۲۰۲۵ء
قصبہ و ڈاک خانہ نیورہ وایا موئی
ضلع ایودھیا، یوپی

مولانا عمران احمد

شکیل ردولوی ایک خوبصورت شاعر اور خوش طبع شخصیت

ردولی کی زمین ہمیشہ سے علم و ادب کی آبیاری کرتی آئی ہے۔ یہ وہ زرخیز خطہ ہے جہاں فکر وفن کے چراغ جلتے رہے ہیں اور اردو ادب کے آسمان پر اپنی روشنی بکھیرتے رہے ہیں۔ انہی درخشاں روایات کے امین جناب شکیلؔ ردولوی ہیں، جنہوں نے سخن کی دنیا میں اپنے منفرد لب و لہجے اور پختہ طرزِ اظہار کے سبب ایک نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ شکیلؔ ردولوی صاحب نہ صرف خوش لباس اور خوش مزاج انسان ہیں، بلکہ ان کی شاعری بھی ان کے باطن کی لطافت، ان کے دل کی پاکیزگی اور ان کے شعور کی بلند پروازی کی غماز ہے۔ ان کا کلام جہاں ایک طرف جذبہ و احساس کا آئینہ ہے، وہیں دوسری جانب یہ عصری کرب، انسانی المیوں اور سماجی مسائل کی جھلکیاں بھی پیش کرتا ہے۔ ان کی غزلوں میں عشق کی وارفتگی، دردِ دل کی چمک اور صداقتِ جذبات کی مہک دلکش انداز میں رقصاں نظر آتی ہے۔ فصاحت و بلاغت، نرمی و شائستگی اور سوز و گداز یہی وہ عناصر ہیں جو ان کے اشعار کو زندگی بخشتے ہیں۔ بلاشبہ انسانی فطرت میں خامیوں کی گنجائش رہتی ہے، لیکن شکیلؔ دولوی کا مجموعی شعری سفر ایک سنجیدہ، بامعنی اور متاثر کن تخلیقی جہد کا آئینہ ہے۔ شکیلؔ ردولوی نسلی اور مذہبی تفریق جیسے نازک موضوعات کو نہایت سلیقے، دردمندی اور گہرے مشاہدے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔

تم تو ہو شیخ و سید و افغان کی طرح
کردار بھی بناؤ مسلمان کی طرح
میں وقت کے لعین سے ڈرتا نہیں کبھی
میں سر اٹھا کے چلتا ہوں سلطان کی طرح

یہ اشعار محض فنی مہارت کا اظہار نہیں بلکہ فکر کی پختگی اور بصیرت کا اعلان ہیں۔ پہلا شعر جہاں مذہبی و نسلی امتیاز پر کاری ضرب ہے، وہیں دوسرا شعر خودداری، عزیمت اور جرأتِ کردار کی روشن مثال ہے۔ شکیلؔ ردولوی کے یہاں محبوب کی آمد، اس کی یاد، اور اس کے خیال سے پیدا ہونے والی کیفیات نہایت لطیف، موثر اور تخئیل سے لبریز انداز میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ایک خوشبو سی مہک اٹھی ہے انگنائی میں
ان کے جو آئے قدم، گھر کے مقدر جاگے

یہ شعر استعارہ و علامت کی سطح پر نہایت کامیاب ہے۔ محبوب کی آمد کو تقدیر کے بیدار ہونے سے جوڑنا محبت کی تہذیبی لطافت کا مظہر ہے۔ اسی تسلسل میں ایک اور شعر۔

وہ خیالوں میں جب بھی آتے ہیں
میری سانسوں کا ہر سفر مہکے
ان سے نظریں ملی تھیں شام ڈھلے
ہم خیالوں میں رات بھر مہکے

یہ ایک ایسا احساس ہے جس میں نہ شکایت ہے، نہ فریاد؛ صرف خلوص ہے، محبت کی مہک ہے، اور یادوں کا ہلکا سا لمس جو روح کو چھو جاتا ہے۔ بطور تمثیل شکیلؔ ردولوی کے مختلف کلام سے لئے گئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جس میں ادبی محاسن، حالات پر تبصرہ، زمانے کے نشیب و فراز اجاگر کئے گئے ہیں، جیسے۔

بیمار تیرا اب تو لب مرگ ہو گیا
گر ہو سکے تو نسخۂ اکسیر بھیج دے

اس شعر میں محبت کی شدت اور بے بسی دونوں کا امتزاج بہت عمدہ ہے۔ اور ؎

غزلوں کی آبیاری کرے خون دل سے جو
بزم سخن میں ایسا کوئی میر بھیج دے

یہ شعر اردو شاعری کی روایت کو خراج تحسین ہے، اور شکیلؔ صاحب کی علمی بصیرت کا آئینہ دار بھی۔ ؎

شکیلؔ گزری کہانی ہے اس سے وابستہ
مجھے شکستہ حویلی کے پاس رہنے دو

یہ شعر ماضی سے جذباتی لگاؤ، ذاتی شناخت، اور یادوں سے وابستگی کا بیانیہ ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ ایک کہانی ہے جو گزر چکی ہے، اور وہ اُس کہانی کے آثار کے قریب رہنا چاہتا ہے، چاہے وہ آثار شکستہ ہی کیوں نہ ہوں ؎

بہارِ چمن میں یہ کون آ گیا ہے
قدم بوسیاں رنگ و بو کر رہے ہیں

یہ شعر عقیدت، حسنِ تخیل، اور شعری فنکاری کا خوبصورت نمونہ ہے ؎

زندگی میں حال غم جس نے کبھی نہ پوچھا
قبر پر آ کر وہ روئے میرے مر جانے کے بعد

یہ شعر ایک نہایت پُراثر اور جذباتی اظہار ہے۔ شاعر نے ایک کربناک حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے زندگی میں جب وہ غم و تکلیف میں مبتلا تھا، تب کسی نے حال نہ پوچھا، مگر مرنے کے بعد وہی لوگ (یا خاص ایک شخص) قبر پر آ کر آنسو بہانے لگے۔ یہ انسان کی منافقت یا وقت پر ساتھ نہ دینے کا شکوہ ہے ؎

انسانیت بے گور و کفن دفن ہوگئی
بستی کے لوگ ہندو مسلمان ہوگئے
اُمید کوئی کیا کرے انصاف کے لئے
منصف ہی ظالموں کے نگہبان ہوگئے

انسانوں کے درمیان جو اخوت، ہمدردی اور اخلاق ہونا چاہیے تھا، وہ مذہبی تفریق کی نذر ہو گیا۔ یہ شعر فرقہ وارانہ تعصب اور انسان دوستی کے زوال پر ایک دردناک تبصرہ ہے۔ ادبی محاسن: سہل ممتنع: سادہ زبان میں ایک گہری بات کہنا۔ اضداد کا استعمال: ''منصف'' اور ''ظالم'' ایک انصاف کی علامت، دوسرا ظلم کی۔ طنز: منصف سے انصاف کی توقع تھی، مگر وہ ظالموں کے ساتھ کھڑا ہے۔ ؎

نہ ڈھاؤ ظلم، نہ ماحول نفرتوں سے بھرو
یہ امن و پیار کا ہندوستان رہنے دو
میں اہلِ دل ہوں، محبت سے پھول دو مجھ
میں کیا کروں گا، کہ تیر و کمان رہنے دو

یہ اشعار صرف شاعری نہیں بلکہ ایک فکری بیان ہیں۔ یہ ایک ایسے حساس دل کی آواز ہے جو نفرت کی فضا میں سانس لینا نہیں چاہتا۔ شاعر کا انداز نرم ہے، لیکن پیغام مضبوط اور واضح ہے۔ یہ اشعار عصرِ حاضر کے سماجی اور سیاسی پس منظر میں خاص طور پر معنی خیز ہیں، جہاں نفرت اور تقسیم کی سیاست عام ہو رہی ہے اشعار نہایت پُراثر اور دل کو چھو لینے والے ہیں۔ پیغامِ امن، محبت اور رواداری ان میں بخوبی جھلکتا ہے۔ خاص طور پر آخری شعر میں جو احتجاجی مگر مہذب انداز اپنایا گیا ہے ؎

میں کیا کروں گا، کہ تیروکمان رہنے دو

وہ دل پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ محبت سے پھول دو، تیروکمان، اہل دلان علامتوں سے شاعر

نے تضاد پیدا کیا ہے پھول اور تیر و کمان، محبت اور نفرت، دل اور ہتھیار۔ یہی تضاد اشعار کو فکری گہرائی عطا کرتا ہے۔ شاعر کا اسلوب نرم خو، شائستہ اور متوازن ہے۔ نہ طنز کی کاٹ ہے، نہ غصے کی شدت، بلکہ ایک محبت بھرے لہجے میں وہ معاشرے کی تلخیوں پر گرفت کرتا ہے۔ یہ اسلوب مصلحانہ شاعری کی روایت سے جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے، جہاں مقصد محض جمالیاتی حظ نہیں بلکہ فکری بیداری ہے۔ موضوع امن، محبت اور انسانیت کا فروغ ہے جو کہ کلاسیکی اردو شاعری کا بھی مرکزی حوالہ رہا ہے۔ لیکن یہاں شاعر اس روایت کو عصری تناظر میں پیش کرتا ہے۔ ''ہندوستان'' کو بطور استعارہ امن و آشتی کی علامت کے طور پر برتا گیا ہے۔ شاعر کسی خاص قوم یا طبقے کی بات نہیں کر رہا بلکہ پورے معاشرے سے مخاطب ہے، جو اس کی شاعری کو آفاقی بناتا ہے۔

وہ جو مے خانے کے آداب سے واقف ہی نہیں
جام اُس کو بھی پلاتے ہو، غلط کرتے ہو

یہ شعر علامتی انداز میں کہتا ہے کہ معرفت، عشق، یا گہری باتیں اُنہی لوگوں کو دینی چاہییں جو اُن کے سمجھنے کے قابل ہوں، ورنہ وہ ان کی قدر نہ کریں گے یا انہیں ضائع کر دیں گے۔

جن کی آنکھوں میں نہیں نور بصارت کچھ بھی
آئینہ ان کو دکھاتے ہو غلط کرتے ہو

شعر میں سادگی کے ساتھ ایک طنزیہ اور دانائی بھرا پیغام دیا گیا ہے، جو اصلاحِ معاشرہ یا انسانی رویوں پر تنقید کے لیے بہت مؤثر ہے۔ دونوں اشعار میں گہرے افکار کو نہایت سادہ اور موثر زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ استعاروں اور علامتوں کا خوبصورت استعمال ہے۔ طنز، نصیحت، اور بصیرت تینوں پہلو ملتے ہیں۔ اشعار فکری اعتبار سے بامعنی اور ادبی اعتبار سے پختہ ہیں۔ یہ شعر ایک نہایت حسین تشبیہ کے ذریعے عشق کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔

عشق کیا ہے سمجھنا ہے گر آپ کو
گل سے لپٹی ہوئیں تتلیاں دیکھئے

خوبصورتی اور نزاکت کا پیکر ہے۔ تتلی کا پھول سے لپٹنا عشق کی وابستگی، نرمی اور بے خودی کو ظاہر کرتا ہے۔ پھول کو چھیڑے بغیر، بس اس سے لپٹ جانا، عشقِ حقیقی یا خالص محبت کی علامت ہے۔ یہ شعر عشق کو نہایت سادہ، فطری اور پر اثر انداز میں بیان کرتا ہے۔

مرتا ہے کوئی، اب کہاں کردار کے لئے
لڑتے ہیں لوگ درہم و دینار کے لئے

یہ شعر ہمارے معاشرتی اور اخلاقی زوال پر ایک کڑی تنقید ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ پہلے لوگ کردار، اصول، اور سچائی کے لئے جان دے دیا کرتے تھے، یعنی اخلاقی قدروں کے لیے قربانیاں دینا عام بات تھی۔ مگر اب وہ وقت نہیں رہا، اب لوگ صرف مال و دولت (درہم و دینار) کے لیے لڑتے، جھگڑتے، اور مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔ یہ شعر ایک المیہ کی صورت میں موجودہ دور کی حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے۔ شاعر نے معاشرے کی مادہ پرستی کو نہایت سادگی مگر کاری انداز میں بیان کیا ہے۔ اس میں ایک تہہ دار طنز بھی موجود ہے کہ ''کردار'' جیسی عظیم الشان صفت اب اہمیت نہیں رکھتی، جب کہ پیسہ سب کچھ بن چکا ہے۔

عزّت ہے گر عزیز تو سر کو اُٹھایئے
سر بھی بلند چاہیے دستار کے لئے

یہ شعر نہایت گہری معنویت رکھتا ہے۔ شاعر یہاں عزت اور خودداری کا فلسفہ بیان کرتا ہے۔ صرف ''دستار''، یعنی عزت کی علامت سر پر رکھ لینا کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ''سر بلند''، یعنی خود اعتمادی، جرأت، اور غیرت بھی ہونی چاہیے۔ گویا شاعر کہتا ہے کہ اگر عزت واقعی عزیز ہے تو صرف اس کا دعویٰ نہ کیا جائے، بلکہ عمل سے، استقامت سے، سچائی سے اس کا حق ادا کیا جائے۔ دستار کو عزت تب ملتی ہے جب سر بلند ہو، یعنی انسان خود باوقار ہو، باضمیر ہو۔ یہ شعر علامتی انداز میں عزت و وقار کے تصور کو ایک عملی جہت دیتا ہے۔ یہ ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے کہ ظاہری عزت سے زیادہ اصل عزت کردار، غیرت اور سرفرازی میں ہے۔

غربت نے ہائے کیسا تماشا بنا دیا
رونق بنی ہوئی ہے وہ بازار کے لئے

یہ شعر صرف غربت کی مار پر رونا نہیں روتا، بلکہ معاشرتی بے حسی اور استحصالی نظام پر ایک شدید طنز بھی ہے۔ ''بازار'' کا ذکر یہاں صرف خرید وفروخت کی جگہ نہیں بلکہ اُس معاشرے کی علامت ہے جہاں انسانیت بیچی جاتی ہے۔

کتنی لہولہان ہے انسانیت شکیلؔ
بھائی کا خون کردیا دیوار کے لئے

یہ شعر اس بات کا نوحہ ہے کہ انسان نے اپنی اصل قدریں کھودی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر لڑ جھگڑ کر قریبی رشتوں کو تباہ کر دیا ہے، اور انسانیت خون میں نہا گئی ہے۔ غرض یہ کہ شکیلؔ ردولوی کے اشعار میں کلاسیکی شعری روایت کی جھلک، حسن وعشق کی رنگینی، محبوب سے بے ریا محبت اور وفا کا دریا رواں دواں نظر آتا ہے۔ ان کی زبان کی مٹھاس، اظہار کی شائستگی، اور مضمون کی گہرائی ایسی ہے کہ قاری نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ لمحوں کے لیے سوچ میں بھی ڈوب جاتا ہے۔ یہ مجموعۂ کلام نہ صرف شکیلؔ دولوی کی تخلیقی ریاضت کا مظہر ہے، بلکہ اردو شاعری کے دل دادگان کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔ توقع ہے کہ یہ کتاب نہ صرف قارئین کے ذوقِ شعری کی تسکین کرے گی بلکہ شکیلؔ دولوی صاحب کو وہ ادبی شناخت بھی عطا کرے گی جس کے وہ سزاوار ہیں۔

مولانا عمران احمد
مرزاپور (ردولی)
مقیم حال: دبئی

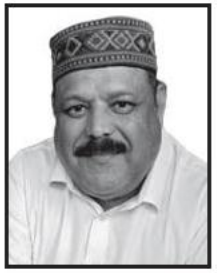

تحسین منور (دہلی)

فکر کے سفر میں سرگرداں شکیلؔ ردولوی

شکیلؔ ردولوی کے گھر کی دیوار عظیم صحافی مصنف ادیب اور شاعر پروانہ ردولوی مرحوم کے پشتینی مکان ایوان اصغر سے ملتی ہے۔ اسی حوالے سے وہ ہمارے بھی ہمسایہ ہوتے ہیں۔ ہمارے والد پروانہ ردولوی جب بھی اپنے وطن جاتے تو سواری سے اترتے ہی شکیل، شکیل کی صدا بلند کرتے تھے۔ اگر شکیل گھر پر ہوتے تو وہیں سے آواز دیتے، ''جی بڑے ابّا، آداب، آئے رہے ہیں۔'' ہمارے والد کے جڑواں بھائی مرحوم سید محمد کمیل صادق کے بیٹے انہیں بڑے ابّا کہتے تھے۔ شکیل نے بھی سید میثم تمار پروانہ ردولوی مرحوم کو اپنے والد کا بڑا بھائی مان لیا تھا۔ قصبات کی زندگی میں یہی خوبی ہے کہ وہاں سب ایک دوسرے کو اسی طرح اپنا لیتے ہیں۔ یہ سب لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب آپ شکیل کی شاعری کی جھیل میں اتریں تو آپ کے ذہن میں یہ خیال موجود رہنا چاہیے کہ شکیل ردولوی کا تعلق بچپن سے کس شخصیت کے ساتھ رہا ہے اور کس ادبی فلک کے سائے میں انہوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا ہوگا۔ جہاں تک ہمارا اور شکیل ردولوی کا تعلق ہے تو ہمارے وہ بچپن کے دوست ہیں۔ ہم جب بھی گرمیوں کی تعطیلات میں ردولی جاتے تو ہم دونوں کا خوب ساتھ ہوتا تھا۔ رمضان میں ہم دونوں گھر کے سامنے کی مسجد میں سحری کے اوقات میں نعت شریف پڑھتے اور ''حضرات سحری کا وقت ختم ہونے میں ۔۔۔۔منٹ باقی رہ گیا ہے۔'' جیسے اعلانات کرتے تھے۔ شکیل کو بچپن سے ہی اردو ادب سے لگاؤ تھا اور وہ ادبی پروگراموں میں شرکت کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے۔ ردولی کی مٹی کی تاثیر

ان کی اس پیاس کو بجھانے میں بہت کام آتی رہی۔ جو لوگ حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولوی کی سرزمین ردولی سے واقف نہیں ہیں ان کے لئے بتاتے چلیں کہ یہاں بلاتفریق مذہب ومسلک سب لوگ ایک دوسرے کے مذہبی اور ثقافتی پروگراموں میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ یہ مجازؔ کا بھی وطن ہے۔ ہم نے شکیل کے والد حاجی شفیع اللہ چچا کو اپنے یہاں ایوان اصغر میں محرم کی مجلسوں میں شرکت کرتے دیکھا ہے۔ وہ بہت ہی نیک اور شریف النفس انسان تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ شکیل ردولوی ہر برس ایوان اصغر میں 17 ربیع الاول کو ہونے والے کل ہند نعتیہ مشاعرہ کی نظامت سنبھالنے کے علاوہ تمام انتظامات میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ شکیلؔ ردولوی کی سرگرم شرکت کے بغیر یہ پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتا ہے ؎

شامل ہے میری زیست کے اطوار میں شکیلؔ
نعت نبی میں پڑھتا ہوں حمدِ خدا کے بعد

اپنی کملی میں چھپا لینا سر حشر مجھے
میں ہوں عاصی و گنہگار مدینے والے
آپ کے صدقے ہوئی خلق خدائی ساری
آپ کے صدقے ہے سنسار مدینے والے

ردولی میں ہم خود اگر اپنے محلے صوفیانہ میں دیکھیں تو آپ کو شکیلؔ ردولوی کے علاوہ ایسے بہت سے افراد نظر آجاتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ حضرات ہمارا ادبی سرمایہ ہو سکتے ہیں۔ شکیلؔ صاحب تو بہر کیف ٹیچر ہیں لیکن ہمارے پڑوس میں ہم نے زائرؔ صاحب کو دیکھا ہے جنہوں نے حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کے حوالے سے جو شاعری کی ہے وہ آج بھی محرم میں ردولی اور قرب وجوار کی ماتمی انجمنیں نہایت احترام سے پیش کرتی ہیں۔

زائرؔ مرے رسول کی عظمت نہ پوچھیے
یہ وہ نبی ہیں جن کا نواسہ حسین ہے

زائرؔ صاحب تمباکو کی تجارت کرتے تھے اور ان کا تعلق الگ فرقے سے تھا۔ یہ ردولی کی مٹی کی تاثیر ہی ہے کہ لکھنؤ سے چند کلومیٹر کی دوری پر ہونے کے باوجود یہاں تفرقہ پھیلانے کی ہر کوشش دم توڑ دیتی ہے۔ اس معاملے میں ردولی کو پورے ملک میں امن و آشتی کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسے میں جب ہم ردولی کی مٹی کی مہک بکھیرنے والی شکیل ردولوی کی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایک ایسی امید افزا فضا نظر آتی ہے جو مستقبل کے لئے نئے افق ترتیب دے رہی ہے۔ ردولی میں ہونے والی کوئی بھی ادبی تقریب شکیل ردولوی کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی یا یوں کہیں کہ ہر ادبی تقریب کا محور یا اہم جز شکیل ردولوی ہی ہوتے ہیں۔ ملک کے تقریباً سبھی بڑے اردو اخبارات میں ردولی کی ادبی زندگی کو تقویت دیتی تقریبات کی سبھی خبریں کسی نہ کسی حوالے سے شکیل ردولوی سے جا ملتی ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اردو ادب کی تعمیر میں قصباتی زندگی کا ایک اہم حصّہ ہیں۔ یہ تقریبات اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ جب تک اس طرح کی بے لوث ادبی خدمات انجام دینے والے افراد ہمارے قصبات میں موجود ہیں اردو کی بنیاد میں کوئی مٹھا نہیں ڈال سکتا ہے۔ شکیل ردولوی کے اس مجموعے میں ایسے بہت سے اشعار موجود ہیں جو اگر قومی سطح کے بڑے مشاعروں میں سامعین تک پہنچ جائیں تو یقین مانیے کہ آج کے بہت سے چمکتے ہوئے شاعروں کا سفر ٹھہر جائے۔ میں کچھ ایسے ہی اشعار پیش کر رہا ہوں جن کے حوالے سے آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا اب وقت نہیں آ گیا ہے کہ شاندار پوسٹر بنانے والے مشاعروں کے کنوینر قصبات کے ایسے ہیروں پر بھی کچھ خرچ کریں اور انہیں بھی بڑے بڑے مشاعروں کی مسندوں پر بیٹھانے کا انتظام کریں۔

اندھیرے پھرتے ہیں بستی میں رقص کرتے ہوئے
بجھا دیے ہیں یہ کس نے چراغ جلتے ہوئے

ہونے لگا جو سرد مری قوم کا لہو
تب کربلا کا ذکر سنانا پڑا مجھے

ہوس کی بلی نے اپنے نکیلے پنجوں سے
وفا شعار کبوتر کو نوچ ڈالا ہے

وہ اور ہوں گے جو خوشیاں تلاش کرتے ہیں
میں دیوداس ہوں مجھ کو اداس رہنے دے

درس دیتا ہے مجھے روز نکلتا سورج
زندہ رہنا ہے تو حالات سے لڑنا سیکھو

میں جھوٹی باتوں کو تسلیم کر نہ پاؤں گا
خفا ہے مجھ سے اگر کل جہان رہنے دو
نہ ڈھاؤ ظلم نہ ماحول نفرتوں سے بھرو
یہ امن و پیار کا ہندوستان رہنے دو

ایک دیپک محبت کا کیا جل گیا
سر اٹھانے لگیں آندھیاں دیکھئے
گر چہ بیٹوں نے روشن کیا نام کو
گھر کی زینت بنیں بیٹیاں دیکھئے

انگلیوں پر نچاتی ہیں انسان کو
روٹیاں روٹیاں روٹیاں دیکھئے

ہر ایک لفظ سے نکلے گی اس کے چنگاری
کسی بھی روز اگر بے زبان بولے گا

نفرت کی ہو رہی ہے پرستش ہی چار سو
اب چاہتوں کے کوئی شوالے نہیں رہے

بے خبر موت سے دنیا کی طلب میں ہم لوگ
ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خدا یاد نہیں
بے ارادہ میں نکل آیا ہوں یونہی گھر سے
مجھ کو جانا ہے کہاں کوئی پتہ یاد نہیں

دیار محبت میں جانے سے پہلے
خیالوں کے طائر وضو کر رہے ہیں

میرے خلاف کوئی گواہی نہ کچھ ثبوت
سولی پہ کس لئے یہ چڑھایا گیا مجھے
آئی جو آنچ کوئی بھی ہندوستان پر
سینہ سپر محاذ پہ پایا گیا مجھے

انسانیت بے گورو کفن دفن ہو گئی
بستی کے لوگ ہندو مسلمان ہو گئے

شکستہ پر سے بھی پرواز کرتا رہتا ہوں
کسی کے جینے کا مقصد کسی کی آس ہوں

میں سچ کہوں تو میں یہ اشعار قلم بند کرتے کرتے ہانپنے لگا ہوں جبکہ شکیل ردولوی کی شاعری میں ایسے اشعار لاتعداد ہیں جن کو ہم آج کے زمانے کے شعر کہہ سکتے ہیں۔ وہ آج کے سسکتے دور کے احساس کو اپنے اشعار میں ڈھالتے ہیں۔ ان کے اشعار میں تہذیب کی تنزلی کا مرثیہ بھی ہے لیکن وہ صرف بین نہیں کرتے بلکہ اپنے حوصلوں سے تہذیب کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنا چاہتے ہیں۔ وہ نفرتوں کی آندھی میں چراغ جلانا چاہتے ہیں۔ دھرم مذہب ذات پات کے تصور سے بلند ہو کر انسانیت کی بقا پر انکا زور ہے۔ وہ ایک ٹیچر ہیں تو سماج کو راہ دکھانا ان کا فرض اور مقصد بھی نظر آتا ہے۔

دوری جو علم سے ہے اگر جائے گی نہیں
بگڑی ہوئی جو بات ہے بن پائے گی نہیں

تم تو ہو شیخ و سید و افغان کی طرح
کردار بھی بناؤ مسلمان کی طرح

شکیل تخیل کے ایسے زاویے ترتیب دیتے ہیں کہ اکثر آپ چونک پڑتے ہیں۔

کوئی کھڑکی نہ کوئی در ہوگا
خود ہی سوچو وہ کیسا گھر ہوگا

انسان کی آخری منزل کو اس انداز سے آپ کے سامنے لانے کا یہ ہنر شکیل کا ہی ہے۔ یہ شعر بے چین کر دیتا ہے اور آپ موت کے بعد کا تصور کر کے کانپ جاتے ہیں۔

شکیل کی شاعری ہندوستان کے پانی سے وضو کرتی ہے۔ اس لئے بھارتی سنسکرتی بھی انہیں اپنی اور کھینچتی ہے۔

لبوں پر میر کی غزلیں کبھی میرا کی بانی ہے
مری آنکھوں میں دیکھو پیار سے گنگا کا پانی ہے

زور قلم سے دیس کی جو شان ہو گئے
تلسی کبیر جائسی رسخان ہو گئے

شکیل کی شاعری میں کچھ مشہور غزلوں کی ردیف بھی ملتی ہیں۔ لیکن ان کے اشعار ان غزلوں سے جدا نوعیت کے خیالات کو قلم بند کرتے ہیں۔ یہ اس بات کا اعلان بھی ہے کہ انہیں اس بات کا ڈر بھی نہیں ہے کہ ان زمینوں پر اپنے خیالات کا ہل چلانے کے بعد ان کی غزل کمزور پڑے گی بلکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ ان بحروں میں کچھ قابل فکر اضافہ کر پائیں گے۔ ہم نے بہت سے شعرا کا کلام دیکھا ہے جن میں انہوں نے دوسروں کی بحر میں شعر کہنے کی سعی کی اور تھوڑی دور چل کر ہانپنے لگے۔ شکیل اپنی الگ خیال کی دولت کے ساتھ ایسی کئی غزلوں کو کامیابی سے ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ شکیل ردولوی کی شاعری ہم جیسے وطن سے دور لوگوں کے لئے کبھی پروا سہانی ہے تو کبھی وہ پچھّم سے آتی ہوا ہے جو زخموں کو چھیڑ دیتی ہے۔ ہر دبا ہوا درد ابھر آتا ہے جو یادوں کے جزیروں سے ٹکراتی لہروں کو بار بار آپ پر چوٹ کرنے کا موقع دیتا ہے۔ آپ تصور میں اپنے وطن کی گلیوں میں لوٹتے ہیں اور شام کی ڈھلتی دھوپ میں سایوں کو گم ہوتے دیکھنے لگتے ہیں۔

دل کو دیار غیر میں راحت نہ مل سکی
''قدرِ وطن ہوئی ہمیں ترکِ وطن کے بعد''

شکیل خوش لحن ہیں۔ ان کے اندر ترنم ہے۔ بچپن سے ترنم سے نعت پیش کرنے کے ان کے شوق نے انہیں ترنم سے آشنا کر دیا ہے جس کی وجہ سی ان کی شاعری میں بھی

نغمگی ہے۔ان کے بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ اگر کوئی مشہور گلوکار اسے ساز و آواز کے سانچے میں ڈھال دے تو شکیل ردولوی کو شہرت کی بلندی تک پہنچنے سے کوئی روک نہیں پائے گا۔یہ ہمارے عہد کا سانحہ ہے کہ شکیل ردولوی جیسے بیشمار شاعر بڑے شہروں سے دور رہنے کی وجہ سے بڑے اسٹیج تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔سوشل میڈیا نے انہیں ایک موقع فراہم تو کیا تھا لیکن اسے بھی وہ بازیگر لوٹ لے گئے ہیں جن کے قبضے میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جس سے آگے بڑھنے کی راہیں کھلتی ہیں۔کوئی چھپا ہوا ہاتھ جن کی پشت پر ہوتا ہے اور جو اس چھپے ہوئے ہاتھ کی بدولت زندگی کی ہر دولت کو اپنے حصار میں لے لیتے ہیں اصل میں ہماری سب کی جنگ ہی اس چھپے ہوئے ہاتھ سے ہے۔ازل سے یہ جنگ جاری ہے اور ایک دن یہ جنگ ہم سب ضرور جیتیں گے۔

مری پشت پر ہے خندق مرے سامنے دھواں ہے
مرے دل ذرا سنبھلنا بڑا سخت امتحاں ہے
میں شکیل زندگی بھر رہا فکر کے سفر میں
مری محنتوں کا حاصل یہی گردِ کارواں ہے

شکیل ردولوی کو اس مجموعے ''سلگتی ریت'' کی اشاعت پر مبارکباد--!دعا ہے کہ ان کی یہ کاوش کامیابی سے ہمکنار ہو۔ہمیں ابھی سے ان کے اگلے مجموعے کا انتظار ہے۔ہمیں یقین ہے کہ ان کا اگلا منظوم مجموعہ اس مجموعہ کا اگلا قدم ثابت ہوگا۔

تحسین منور
ایوان اصغر،محلہ صوفیانہ
ردولی ایودھیا

ڈاکٹر کلیم قیصر

شکیل ردولوی کی شاعری میں روایت کی پاسداری

کچھ لوگ اس قدر شریف النفس ہوتے ہیں کہ اُن کے ظاہر و باطن سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ اُن کی شرافت نفسی پر گفتگو کی جائے یا اُن کی تحریکات پر.....ایسی ہی کچھ غلط فہمی کا شکار میں بھی برادرم شکیل ردولوی کو لے کر تھا میں اُنھیں ادب و شاعری کا مجاہد اور منتظم کار سمجھتا تھا۔رفتہ رفتہ یہ علم ہوا کہ وہ تو نہایت عمدہ اور سلیس قسم کے شاعر ہیں۔دراصل شکیل ردولوی اس قدر منکسر المزاج واقع ہوئے ہیں کہ اُن کی حرکات و سکنات سے آپ یہ بالکل اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ اتنے اچھے اور منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔وہ دوسرے شعرا کی طرح اپنی شاعری اور اپنے علم کا ڈھنڈھورا نہیں پیٹتے ہیں نہ دوسروں پر اپنی شاعری تھوپنے کے قائل ہیں۔

شکیل ردولوی سے میری ملاقات کا عرصہ کوئی 25 سال کا ہے اس 25 سال میں اس شخص نے کبھی یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ میں بھی شعر کہتا ہوں۔اچھا برا تو بعد کی بات ہے شاید شکیل ردولوی کی یہی خوبی میری طبیعت کو بھا گئی پھر گاہے گاہے اُن کے کچھ اشعار میڈیا کے ذریعہ پڑھنے کو ملے اچھے اشعار کی پزیرائی تو میری سرشت میں شامل ہے میں شکیل کی تعریف کرتا رہا کبھی کبھی تنقید بھی۔تقریظ کا تو میں قائل ہی نہیں ہوں۔

میں کوئی بہت دانشور، محقق، ادیب یا شاعر نہیں کہ میرے کسی پر کچھ لکھ دینے سے اُس کی عظمت میں چار چاند لگ جائیں گے یا وہ شہرت کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگے گا مگر مجھے کسی کی شخصیت یا شاعری یا اچھے خیالات و موضوعات پر اظہار خیال کر کے اندر سے خوشی محسو ہوتی ہے۔ یہ کام میں دوران نظامت بھی کرتا ہوں اچھے شعر کی پزیرائی خوب خوب کرتا ہوں اور جو خیال اچھا نہیں ہوتا جسے سامعین پر جبراً تھوپا جاتا ہے اس کی کسی نہ کسی شکل میں برائی ضرور کرتا ہوں۔ اب پتہ نہیں جس پر کچھ تحریر کرتا ہوں میرے ایماندارانہ طریقۂ کار سے اُس کا کیا بھلا ہوتا ہے وہ جانے۔ قارئین و سامعین جانیں۔

غزل ایک مشکل ترین فن ہے اللہ کی ودیعت ہے اگر کسی کو نصیب ہو جائے تو وہ خوش نصیب ہے اسے اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے اور اس فن کے ساتھ صاف ستھرا اور احتیاط کا معاملہ رکھنا چاہیے۔ میں شکیلؔ ردولوی کو ان خوش بخت لوگوں میں شمار کرتا ہوں جنھیں شاعری سے شغف ہے۔ اب رہا اُن کی شعر گوئی کا سوال تو وہ مطالعہ، محنت، ریاضت، صحبت، سماعت پر انحصار کرتا ہے۔ میں نے اس ترتیب میں سماعت کو بھی شعر گوئی کے لیے ضروری مانا ہے کیونکہ شعر سننے سے بھی شاعری کی باریکیاں اور تراکیب کا علم ہوتا ہے۔ کبھی مجھ سے مرحوم سردار جعفری صاحب نے فرمایا تھا کہ شاعری سیکھنے اور شاعری کرنے والوں کو چاہیے کہ پہلے وہ ایک ہزار شعر دوسروں کے زبانی یاد کریں پھر شعر کہیں شاعری کے لئے تجربہ، علم، صحبت اور سماعت لازمی ہے۔ جہاں تک میرے نصف صدی کے شعری سفر کا تجربہ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ شکیلؔ ردولوی کی شاعری میں ان تمام خوبیوں کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ شکیل کے یہاں صحبتِ شعری کا بڑا دخل ہے شکیل کو میں نے اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے دیکھا ہے چونکہ ردولی شریف صاحب کشف و کرامت، علم و عمل اور صاحب طرز شعرا و ادبا کا علاقہ رہا ہے جسے تاریخ کے

جلی حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں اپنی روایت پر زندہ و تابندہ ہے اُس کا فائدہ ملنا نئی نسل کے لئے لازمی ہے۔ اسی میں کوئی اپنی ذات کو منفرد بنا لیتا ہے کوئی نشستم برخاستم تک رہ جاتا ہے۔ میرے خیال سے اس دور میں شکیلؔ ردولوی کو اس تربیت و ترتیب کا ایک معیار کہا جا سکتا ہے کیوں کہ شکیل نے اپنی راہ، اپنی شناخت ان روایتوں کے زیر اثر اور اپنے بزرگوں کی شفقتوں کے سائے میں بنائی ہے اس لیے اُن کی شاعری میں روایت وجدت کا انتہائی خوبصورت امتزاج دیکھنے میں آتا ہے۔

شکیل کی شعری محبوبیت کی ایک اور خوبی ہے وہ یہ کی وہ پروفیشنل نہیں ہے یعنی شعری کاروبار سے ان کی شاعری کا دور دور کا واسطہ نہیں ہے ان کی شاعری صرف اور صرف تفریح طبع اور احباب کی دل جوئی کا ذریعہ ہے۔ شکیل ردولوی اپنے اطراف میں بہت محبوب و مقبول ہیں اس میں اُن کی شرافت نفسی اور اُن کی طبیعت داری کا دخل ہے۔ جس کا سیدھا اثر اُن کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ حالی و شبلی نے شاعری میں اخلاقیات پر زور دیا ہے اس قسم کی شعری خوبیوں سے اصلاح معاشرہ کا کام لیا جا سکتا ہے جو شکیل کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ ان کے کچھ اشعار دیکھیں جو مجھے متاثر کرتے ہیں۔

مل گئی جس دم خوشی تو ذکرِ غم کرتا ہے کون
یاد رہتی ہے خزاں کس کو بہار آنے کے بعد

.....

جس کے پیروں میں چھالے ہوں گے شکیلؔ
ہاں وہی میرا راہبر ہوگا

.....

جہاں ہے سایہ وہاں دھوپ بھی تو آئے گی
بتا گیا ہے یہی وقت بھی گزرتے ہوئے

ظلمت کی آندھیوں نے غضب کیسے ڈھائے ہیں
خاموش ہیں چراغ اُجالے نہیں رہے

.....

میں اہل دل ہوں محبت سے پھول دو مجھ کو
میں کیا کروں گا یہ تیر و کمان رہنے دو

.....

تمام گردشِ دوراں سے جو نہیں ہارا
وہ اپنے آپ میں لشکر دکھائی دیتا ہے

.....

حسن تخلیق اس کی دیکھو تو
آب، شبنم، شفق ،شرر ہوں میں

.....

میں نے بڑوں سے سیکھے ہیں آدابِ گفتگو
میں چیختا نہیں ہوں کبھی بات بات پر

.....

قدم سے قدم کو ملا کر اے ہمدم
چلو توڑ ڈالیں یہ زنجیر غم کی

.....

شکیلؔ آو محنت سے پتھر نچوڑیں
بدل جائے گی خود ہی تقدیر غم کی

.....

''سلگتی ریت''، شکیلؔ ردولوی کی شاعری کا تازہ کارمنظرنامہ ہے جومنظرعام پرآنا چاہتا ہے مندرجہ بالا اشعاراسی مجموعہ ''سلگتی ریت'' سے لئے گئے ہیں۔اس میں زندگی کے تلخ وشیریں جذبات واحساسات کے اشعار پڑھنے کے لیے مل جائیں گے ان اشعار کے مطالعہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ آسان لفظیات میں بھی اچھی اور پرکشش شاعری کی جاسکتی ہے۔اشعار میں رنگ وروغن کم سہی مگر شاعری کے جو بنیادی تقاضے ہیں جومحرک اخلاق قدریں ہیں غزل کی جوروایتی اعلیٰ ظرفی ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں یہاں نظر آئے گی۔لفظیات آسان ہیں میرا ماننا ہے کہ آسان کہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔مشکل کہنا بہت آسان۔ان میں کہیں کہیں معاشرتی افتاداورنظریاتی اختلافات،غیرماناس اخلاقیات کی ضرب کاری بھی دیکھنے کومل جائے گی جوشاعر کی معاشرہ سے انسیت کی نشاندہی اور نمائندگی کرتے نظرآتے ہیں۔متاثر کرنے والی شاعری کا ہمیشہ سے یہی امتیاز رہا ہے اور رہے گا۔ادب اورشعری محرکات کے معاملہ میں مجھے عزیزم شکیلؔ ردولوی سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں خدا سے دعا گو ہوں کہ شاعری کی یہ معصومیت سے لبریز آوازعوام و خواص کی محبتوں کی مستحق بنی رہے۔ میری تمام نیک خواہشات عزیزم شکیل ردولوی کے ساتھ ہیں۔

ڈاکٹرکلیم قیصر
رحمت نگر، گیتا پریس گورکھپور
9415280897,9839206080

شہیب کوثر ردولوی

شکیل ردولوی: خود میں ایک انجمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم امابعد ماضی بعید سے سرزمین ردولی کبھی بھی علماء وشعراء کی موجودگی سے خالی نہیں رہی ہر دور میں ردولی کے شعراء وادباء اپنے اپنے شعر وسخن کی وساطت پوری دنیا میں لوہا منوا چکے ہیں لیکن جب میں نے شعر و شاعری کی باقاعدہ طور پر شروعات کی تو میدانِ شعر وادب میں انجمن تعمیر ادب کے صدر (شکیل ردولوی صاحب) سے متعارف ہوا ان کے مستحکم اور غیر متزلزل شاعرانہ مزاج سے بھی واقفیت ہوئی آپ کے اور آپ کے شعری مجموعہ کے شایانِ شان عالی وقار ڈاکٹر انور حسین صاحب؛ تحسین منور صاحب اور حضرت مولانا عمران مرزا پوری صاحب قبلہ جیسے عظیم اشخاص اپنے قیمتی رشحاتِ قلم، صفحۂ قرطاس پر مسطور کر چکے ہیں میں کچھ لکھنے کی قطعی صلاحیت اور لیاقت نہیں رکھتا۔ فقط ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ۔

لطف لینا ہے بہاروں کا تو باہر نکلو
کوئی خوشبو پسِ دیوار نہیں آئے گی

شعر کی ظاہری خوبصورت تو اپنی جگہ، بہار اور باہر میں جو لطف ہے وہ حساس طبیعت سے پوشیدہ نہیں مذکور بالا شعر ایک تحریک پیدا کرتا ہے جہاں اولوالعزمی، جواں مردی، ہمت وجرأت، اور جسارت کی ترغیب دیتا ہے وہیں بزدلی، کاہلی، کوتاہی، پژمردگی اور نا امیدی کی تردید بھی کرتا ہے۔

شکیل ردولوی صاحب اپنے آپ میں خود ایک انجمن ہیں ان کی سرپرستی میں انجمن تعمیرِ ادب اپنے مستقر کی طرف اردو ادب کی بقا اور ارتقا کے نہج پر تیزی سے گامزن ہے شکیل ردولوی کے رہائش گاہ پر انجمن ہذا کے زیر اہتمام تمام تر رعنائیوں کے ساتھ متواتر چھوٹے۔ بڑے مشاعروں کا انعقاد ہوتا رہتا ہے جس میں مقامی شعراء کے علاوہ لکھنؤ، بارہ بنکی، علی آباد، دریا باد، گونڈہ، بہرائچ فیض آباد وغیرہ اور مضافات کے معروف وغیر معروف شعرائے کرام شرکت فرماتے ہیں ان حضرات کی تشریف آوری ہمارے لیے باعثِ صد افتخار ہے ہم ان سبھی شعراءِ کرام کے ممنون ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

شہیب کوثر ردولوی
جنرل سکریٹری
انجمن تعمیر ادب ردولی
خادم مسجدِ رحمان امانی گنج فیض آباد
7081147096,7554745094

حمد

نفس نفس کا ہے مالک وہ پالنے والا
اندھیری رات سے سورج نکالنے والا

اُسی کی ذات سے روشن ہے زندگی کا چراغ
وہی ہے ہم کو غموں سے نکالنے والا

وہی بلاؤں کے رخ کو بھی موڑ دیتا ہے
وہی ہے ساری وباؤں کو ٹالنے والا

مصیبتوں میں اُسی کو پکارتے ہیں سبھی
وہی ہے گرتے ہوؤں کو سنبھالنے والا

حسیں بہار کا موسم اُسی کی قدرت ہے
وہی ہے خاروں سے گل کو نکالنے والا

وہ ایسا قادر مطلق ہے اے شکیلؔ کہ جو
وجودِ خاک میں ہے روح ڈالنے والا

حمد

تو ہی ہے میرا آسرا مولا
ورد دل کی مرے دوا مولا

زندگی باغ باغ ہو جائے
کوئی ایسی خبر سنا مولا

خاک ہوں ٹھوکروں میں رہتا ہوں
مجھ کو اب آسماں بنا مولا

تشنگی دُور ہو مرے دل کی
جامِ وحدت مجھے پلا مولا

زندگی بدحواس پھرتی ہے
کوئی مژدہ مجھے سنا مولا

باطلوں کے چراغ بجھ جائیں
کوئی ایسی ہوا چلا مولا

تو ہی خالق ہے تو ہی مالک ہے
سوئی قسمت مری جگا مولا

شکر تیرا شکیلؔ کرتا ہے
جو بھی ہے سب تری عطا مولا

●●●

نعت

تاریخ کا جمال مرے مصطفےٰ ؐ کے بعد
جیسے چراغ جل اُٹھے نورِ ھدیٰ کے بعد

اُن کی عنایتوں کے جو بادل اُمنڈ پڑے
موسم سہانا ہو گیا کالی گھٹا کے بعد

اک تشنہ لب جو دل تھا وہ سیراب ہو گیا
حاجت نہیں ہے کوئی بھی اُن کی عطا کے بعد

قرآن کو، حدیث کو رہبر بنایئے
آئے گا اب نہ کوئی نبی مصطفےٰ ؐ کے بعد

دُنیا میں یوں تو آئے بہت انبیا رسل
''میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفےٰ ؐ کے بعد''

پیارے نبیؐ کی شانِ کریمی تو دیکھئے
اپنا رہے ہیں ہم کو بھی لاکھوں خطا کے بعد

شامل ہے میری زیست کے اطوار میں شکیلؔ
نعت نبیؐ میں پڑھتا ہوں حمد خدا کے بعد

نعت

میرے آقا مرے سرکار مدینے والے
آپ ہیں نبیوں کے سردار مدینے والے

اپنے دُشمن کو بھی جینے کی دعائیں دینا
آپ ہی کا ہے یہ کردار مدینے والے

اپنی کملی میں چھپا لینا سرِ حشر مجھے
میں تو عاصی ہوں گنہگار مدینے والے

شیر بکری بھی جہاں ساتھ رہا کرتے ہیں
آپؐ کی ایسی ہے سرکار مدینے والے

آپؐ کے صدقے ہوئی خلق خدائی ساری
آپؐ کے صدقے ہے سنسار مدینے والے

دور دنیا سے ہوئے پل میں اندھیرے سارے
آپؐ ہیں مطلعِ انوار مدینے والے

خواہشیں دل کی دعا بن کے لبوں پر ہیں شکیلؔ
مجھ کو طیبہ کا ہو دیدار مدینے والے

نعت

جب سے ہونٹوں پہ نعت نبی آگئی
زندگی میں عجب دلکشی آگئی

آمدِ مصطفٰے مرحبا مرحبا
سارے عالم میں اک روشنی آگئی

گردشِ وقت نے جب سے گھیرا مجھے
اور ایمان میں تازگی آگئی

دیکھئے ذکرِ احمد کے فیضان سے
بجھتے دیپک میں بھی روشنی آگئی

اُن کے در کی گدائی کا یہ فیض ہے
ہم حقیروں کو بھی شاعری آگئی

سوئے صحرا میں ان کے جو آئے قدم
ہر طرف اک نئی زندگی آگئی

رشک خود پر کرے ہے شکیلؔ حزیں
اس کے حصے میں اُن کی گلی آگئی

منقبت

اُس کی تقدیر بھی اوج پر ہوگئی
جس پہ مولیٰ علیؓ کی نظر ہوگئی

جب نمونہ بنی سیرتِ مرتضیٰؓ
زیست کی ہر ادا معتبر ہوگئی

آمد مرتضیٰؓ مرحبا مرحبا
کفر کی تیرگی بے اثر ہوگئی

میرے نالے شب ہجر کام آ گئے
میں جو تڑپا تو اُن کو خبر ہوگئی

نقش پائے علیؓ جس پہ روشن ہوئے
رہ نما خود ہی وہ رہ گزر ہوگئی

جو بتوں کے اندھیرے تھے سب مٹ گئے
آپ کعبہ میں آئے سحر ہوگئی

اُن کی رحمت کے بادل جو برسے شکیلؔ
تشنگی دل کی زیر و زبر ہوگئی

منقبت

نہ زور چلنے دیا ظلم کی عدالت کا
حسینؓ نام ہے اُس پیکر صداقت کا

زمین کرب و بلا کی وہ پاک مٹی ہے
زمانہ آج بھی قائل ہے اس طہارت کا

حسینیت کا زمانے میں نام زندہ ہے
جہاں سے نام مٹا جبر کی حکومت کا

وہ آبروئے وفا شانِ حضرت عباسؓ
جواب کوئی نہیں ہے تری شجاعت کا

●●●

غزل

آگ نفرت کی لگاتے ہو غلط کرتے ہو
پیار کے دیپ بجھاتے ہو غلط کرتے ہو

تیر نظروں کے چلاتے ہو غلط کرتے ہو
دھڑکنیں دل کی بڑھاتے ہو غلط کرتے ہو

ہو نہ جائے کہیں ویران چمن ہی سارا
روز اک پیڑ گراتے ہو غلط کرتے ہو

زلف لہرا کے مرے سامنے آکر اکثر
آگ دل میں جو لگاتے ہو غلط کرتے ہو

دل کے اس سادہ ورق پر مرے ہمدم میرا
نام لکھ لکھ کے مٹاتے ہو غلط کرتے ہو

وہ جو میخانے کے آداب سے واقف ہی نہیں
جام اس کو بھی پلاتے ہو غلط کرتے ہو

دل کے جاگے ہوئے جذبوں کو تسلی دے کر
آپ ان کو جو سلاتے ہو غلط کرتے ہو

جن کی آنکھوں میں نہیں نورِ بصارت کچھ بھی
آئنہ ان کو دکھاتے ہو غلط کرتے ہو

بے وفا ہے جو تمہارا وہ نہیں ہو سکتا
راز داں اس کو بناتے ہو غلط کرتے ہو

لوگ زخموں پہ نئے زخم لگا دیں گے شکیلؔ
زخم جو سب کو دکھاتے ہو غلط کرتے ہو

●●●

غزل

گھنے درخت کا یہ سائبان رہنے دو
ہمارے سر پر یہی آسمان رہنے دو

ہمارے منھ میں کسی کی زبان مت ڈالو
ہمارے منھ میں ہماری زبان رہنے دو

یہ وقت آنے پہ سچائیوں کو سمجھیں گے
''جو بدگماں ہیں انہیں بدگمان رہنے دو''

ہمیں سناؤ غم دل کی داستاں کوئی
محبتوں کی حسیں داستان رہنے دو

نہ ڈھاؤ ظلم نہ ماحول نفرتوں سے بھرو
یہ امن پیار کا ہندوستان رہنے دو

میں اہل دل ہوں محبت سے پھول دو مجھ کو
میں کیا کروں گا یہ تیر و کمان رہنے دو

مجھے دکھاؤ نہ سپنے حسین محلوں کے
یہ میرا پھوس کا کچا مکان رہنے دو

میں جھوٹی باتوں کو تسلیم کر نہ پاؤں گا
خفا ہے مجھ سے اگر کل جہان رہنے دو

مجھے سناؤ نہ ناکامیوں کے قصے شکیلؔ
یہ میرا عزم مصمم جوان رہنے دو

●●●

غزل

دلِ فگار میں جینے کی آس رہنے دے
لرزتے ہونٹوں پہ تھوڑی سی پیاس رہنے دے

وہ اور ہوں گے جو خوشیاں تلاش کرتے ہیں
میں دیوداس ہوں مجھ کو اُداس رہنے دے

ہماری تشنہ لبی کا بھرم نہ ٹوٹے گا
ہمارے ہاتھ میں خالی گلاس رہنے دے

تمام دولت دنیا تو لٹ گئی لیکن
ہمارے تن پہ شکستہ لباس رہنے دے

کتابِ دل کو مٹا دے تو شوق سے لیکن
مری وفا کا کوئی اقتباس رہنے دے

شکیلؔ گزری کہانی ہے اس سے وابستہ
مجھے شکستہ حویلی کے پاس رہنے دے

غزل

آہیں مظلوم کی سسکیاں دیکھیے
کیسے لوٹی گئیں بستیاں دیکھیے

ایک دیپک محبت کا کیا جل گیا
سر اُٹھانے لگیں آندھیاں دیکھیے

عشق کیا ہے سمجھنا ہے گر آپ کو
گل سے لپٹی ہوئیں تتلیاں دیکھیے

گرچہ بیٹوں نے روشن کیا نام کو
گھر کی زینت بنیں بیٹیاں دیکھیے

گل سے کرتی ہیں ہنس ہنس کے اٹکھیلیاں
بادِ سحری کی بھی شوخیاں دیکھیے

اُنگلیوں پر نچاتی ہیں انسان کو
روٹیاں روٹیاں روٹیاں دیکھیے

ڈوب جائیں نہ مجدھار میں اے شکیلؔ
عشق کی سر پھری کشتیاں دیکھیے

غزل

یہی زمین یہی آسمان بولے گا
ہر ایک راز فسانے کا آج کھولے گا

نجات اس کو ملے گی سبھی گناہوں سے
جو اپنے اشکوں سے دامن کے داغ دھولے گا

ہمارے عشق کی سب داستان نکلے گی
پرانی یادوں کو جب دل میں تو ٹٹولے گا

دلوں میں کرب کے چھالے بھی پھوٹ جائیں گے
تو آنسوؤں سے اگر آستیں بھگو لے گا

کوئی بھی بات زمانے کی چھپ نہ پائے گی
تمام راز یہی آسمان کھولے گا

ہر ایک لفظ سے نکلے گی اس کے چنگاری
کسی بھی روز اگر بے زبان بولے گا

شکیلؔ اس کی وفا کا ہے یہ عجب انداز
کسی سے عشق کرے گا کسی کا ہو لے گا

غزل

تخریب کے خواہاں ہیں یہ معمار نہیں ہیں
تعمیر وطن کے یہ طرفدار نہیں ہیں

کردار پہ اوروں کے وہ اُنگلی ہیں اٹھاتے
جو لوگ ابھی صاحب کردار نہیں ہیں

نفرت کی اُگاتے ہیں زمیں پر جو یہ فصلیں
اس دھرتی کے وہ لوگ وفادار نہیں ہیں

نفرت کے یہ بادل ابھی کچھ اور چڑھیں گے
تبدیلیِ موسم کے کچھ آثار نہیں ہیں

جب قدر نہیں تجھ کو محبت کی ذرا بھی
اے حسن ترے ہم بھی پرستار نہیں ہیں

پختہ ہے مرا عزم تو ہمت بھی جواں ہے
ہم ریت کی گرتی ہوئی دیوار نہیں ہیں

غزل

اب چاند کے قریب وہ ہالے نہیں رہے
جلتے ہوئے دیوں میں اُجالے نہیں رہے

نفرت کی ہو رہی ہے پرستش ہی چار سو
اب چاہتوں کے کوئی شوالے نہیں رہے

ظلمت کی آندھیوں نے ستم اس طرح کیا
خاموش ہیں چراغ اُجالے نہیں رہے

رخصت دلوں سے ہوگئی دیدار کی طلب
آنکھوں میں اب تو اپنی اُجالے نہیں رہے

یوں رونق حیات بھی غربت نے چھین لی
اس نازنیں کے کان میں جھالے نہیں رہے

باتوں سے اپنی کرتے تھے مسرور جو کبھی
اب اس طرح کے وہ بھی نرالے نہیں رہے

آؤ شکیلؔ خود کو کہیں اور لے چلیں
بستی میں اپنے چاہنے والے نہیں رہے

غزل

دیارِ محبت میں جب رات ہوگی
ہر اک سمت پھولوں کی برسات ہوگی

قدم کو بڑھانے سے پہلے نہ سوچا
کہاں دن ڈھلے گا کہاں رات ہوگی

زمیں پر اخوت کے سبزے اُگیں گے
فلک سے محبت کی برسات ہوگی

جہاں پر چھلکتے ہیں اُلفت کے ساغر
اُسی میکدے میں چلو بات ہوگی

یہ دیر و حرم ہیں محبت کے مرکز
یہاں جو بھی ہوگی کھلی بات ہوگی

چلو آؤ مل کر سمندر کھنگالیں
ہمیں کامیابی کی سوغات ہوگی

اسی آس پر ہے مری زندگانی
کسی روز اُن سے ملاقات ہوگی

یہی موسموں کے تقاضے ہیں ہمدم
گھریں گے جو بادل تو برسات ہوگی

●●●

غزل

چمکتے چاند ستاروں کے درمیاں نکلے
زمین جن کو سمجھتا تھا آسماں نکلے

زمین دل مری پیاسی رہی سدا کے لیے
میں جن کو ابر سمجھتا تھا وہ دُھواں نکلے

بہت امید سے سب کو صدائیں دیتے رہے
ہمارے چاہنے والے مگر کہاں نکلے

ہمارے حق میں جنہیں حق ہی بولنا تھا مگر
جو وقت آیا تو وہ لوگ بے زباں نکلے

غریب شہر تو برباد ہو گئے لیکن
''امیر شہر کے ارماں ابھی کہاں نکلے''

یہ بدگمانیاں کیا فاصلے بڑھاتی ہیں
عدو میں جن کو سمجھتا تھا ہم زباں نکلے

یہ میرا راز بھلا کیسے راز رہتا شکیلؔ
مرے خلاف ہی جب میرے راز داں نکلے

غزل

دل نشیں چاند سے چہروں کی عطا یاد نہیں
ہم کو اب کوئی محبت کی ادا یاد نہیں

بے خبر موت سے دنیا کی طلب میں ہم لوگ
ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خدا یاد نہیں

پہلے جو جان لٹانے کی قسم کھاتے تھے
ہم سے کہتے ہیں وہی عہدِ وفا یاد نہیں

تشنگی اب تو مقدر میں لکھی ہو جیسے
برسی ہوگی کبھی ساون کی گھٹا یاد نہیں

اب مجھے پاٹھ نہ نفرت کے پڑھائے کوئی
کچھ مجھے عشق و محبت کے سوا یاد نہیں

دھوپ ہی دھوپ نظر آتی تاحد نظر
کیسی ہوتی ہے وہ گھنگور گھٹا یاد نہیں

بے ارادہ میں نکل آیا ہوں یونہی گھر سے
مجھ کو جانا ہے کہاں کوئی پتا یاد نہیں

بدلے بدلے سے مرے یار نظر آتے ہیں
کیا ہوئی مجھ سے خطا مجھ کو خطا یاد نہیں

قہقہے خوب لگاتے ہیں وہ غفلت میں شکیلؔ
اتنا بدمست ہیں کہ اُن کو قضا یاد نہیں

●●●

غزل

عجب لوگ ہیں ہائے ہُو کر رہے ہیں
محبت میں کتنا غُلو کر رہے ہیں

دیارِ محبت میں جانے سے پہلے
خیالوں کے طائر وضو کر رہے ہیں

بہارِ چمن میں یہ کون آگیا ہے
قدم بوسیاں رنگ و بو کر رہے ہیں

ابھی مطربو! اپنے سرگم نہ چھیڑو
''ابھی ان سے ہم گفتگو کر رہے ہیں''

دُھلیں گے سبھی داغ دامن کے ان کے
جو اشکوں سے اپنے وضو کر رہے ہیں

کوئی اس کے جیسا ہمیں مل نہ پایا
زمانے سے ہم جستجو کر رہے ہیں

بدل دیں گے بھارت کی تصویر اک دن
جو اپنے لہو سے وضو کر رہے ہیں

نمایاں ہوا حسن اخلاق جب سے
مرا خیر مقدم عدو کر رہے ہیں

جنہوں نے کیا تھا مرا چاک دامن
عجب ہے وہی اب رفو کر رہے ہیں

اٹھے ہیں قدم جو مرے حق کی جانب
تو تائید میرے عدو کر رہے ہیں

شکیلؔ ان کا حسن تبسم تو دیکھو
بکھرنے کی گل آرزو کر رہے ہیں

●●●

غزل

غفلت میں سورہا تھا جگایا گیا مجھے
میں کون ہوں کہاں ہوں بتایا گیا مجھے

ظالم تو ظلم شہر میں کر کے چلے گئے
لیکن قصور وار بنایا گیا مجھے

خاموش اپنی راہ چلا جارہا تھا میں
پھر بھی قدم قدم پہ ستایا گیا مجھے

شامل تھا میرا خون بھی بنیاد میں مگر
اپنے ہی گھر میں غیر بتایا گیا مجھے

میرے خلاف کی یوں اندھیروں نے سازشیں
روشن دیا تھا پھر بھی بجھایا گیا مجھے

آئی جو آنچ کوئی بھی ہندوستان پر
سینہ سپر محاذ پہ پایا گیا مجھے

تعبیر جس کی کوئی مکمل نہ ہوسکی
ایسا حسین خواب دکھایا گیا مجھے

میرے خلاف کوئی گواہی نہ کچھ ثبوت
سولی پہ کس لیے یہ چڑھایا گیا مجھے

اپنا پتہ بھی یاد نہیں اب مجھے شکیلؔ
اس درجہ بدحواس بنایا گیا مجھے

●●●

غزل

ہم سمندر ترے کاسے میں نہیں آئیں گے
''خواب میں آئیں گے، قبضے میں نہیں آئیں گے''

ہم نے دیکھے ہیں زمانے کے بدلتے تیور
تیرے دل سوز یہ جھانسے میں نہیں آئیں گے

گھر غریبوں کے جلا کر جو تجھے حاصل ہے
ہم کبھی ایسے اُجالے میں نہیں آئیں گے

کئی دفتر تو ہیں درکار مری آہوں کو
میرے منظوم لفافے میں نہیں آئیں گے

آؤ مل جل کے محبت کی دُکانیں کھولیں
اس سے ہم لوگ خسارے میں نہیں آئیں گے

ہم تو شاہین ہیں پرواز ہے اونچی اپنی
ہم کبھی جال میں، پنجرے میں نہیں آئیں گے

خوب واقف ہیں محبت کے تقاضوں سے شکیلؔ
آپ کے کوئی اشارے میں نہیں آئیں گے

غزل

زورِ قلم سے دیس کی جو شان ہو گئے
تلسیؔ، کبیرؔ، جائسیؔ، رسخانؔ ہو گئے

انسانیت بے گور و کفن دفن ہوگئی
بستی کے لوگ ہندو مسلمان ہو گئے

اُمید کوئی کیا کرے انصاف کے لیے
منصف ہی ظالموں کے نگہبان ہو گئے

ان کی خطائیں کرتا ہے وہ درگزر ضرور
اپنی خطاؤں پر جو پشیمان ہو گئے

دولت جو پاس آئی تو شجرہ بدل لیا
پہلے تھے کوئی اور وہ اب خان ہو گئے

لفظوں کے توڑ موڑ سے ہی دیکھیے شکیلؔ
کتنے ہی لوگ صاحب دیوان ہو گئے

غزل

اندھیرے پھرتے ہیں بستی میں رقص کرتے ہوئے
بجھا دیے ہیں یہ کس نے چراغ جلتے ہوئے

حیاتِ سادہ میں اُلفت کے رنگ بھرتے ہوئے
میں تھک گیا ہوں بہت خود سے جنگ کرتے ہوئے

تمام یادیں بھی دامن پکڑ کے رونے لگیں
گزر رہا تھا کوئی جب سلام کرتے ہوئے

یہ زندگی کی حقیقت سمجھ میں آئے گی
کبھی جو دیکھیں گے سورج کو آپ ڈھلتے ہوئے

بس اس کی یاد نے راہوں میں روشنی کر دی
اندھیری رات میں نکلا تھا گھر سے ڈرتے ہوئے

ذرا بھی پیار نہ آیا مہکتی کلیوں پر
گزر گیا ہے کوئی پھولوں کو مسلتے ہوئے

جہاں ہے سایہ وہاں دھوپ بھی تو آئے گی
بتا گیا ہے یہی وقت بھی گزرتے ہوئے

ملے ہیں اس کو محبت کے میٹھے پھل بھی شکیلؔ
حیات جس نے گزاری ہے صبر کرتے ہوئے

●●●

غزل

پیار کے بادل محبت میں اُمنڈ آنے کے بعد
درد دل کچھ کم ہوا ہے اشک برسانے کے بعد

زندگی میں حالِ غم جس نے کبھی پوچھا نہیں
قبر پر آکر وہ روئے میرے مرجانے کے بعد

وہ ادائیں وہ تبسم یاد ہیں اب تک مجھے
حالِ دل پوچھا تھا اس نے تھوڑا شرمانے کے بعد

ساقیا تیری نوازش تیرا یہ حسن کرم
تشنگی دل کی مٹی ہے جام چھلکانے کے بعد

یاد اس کی آج آئی بے تحاشہ اس قدر
دیر تک رویا ہے یہ دل خود کو بہلانے کے بعد

یہ پرانی ہے کہاوت اہل دانش کی جناب
عقل آتی ہے ٹھکانے ٹھوکریں کھانے کے بعد

مل گئی جس دم خوشی تو ذکر غم کرتا ہے کون
''یاد رہتی ہے خزاں کس کو بہار آنے کے بعد''

تو نے ساقی اس قدر مدہوش مجھ کو کر دیا
ہوش ہی آیا نہیں ہے ہوش میں آنے کے بعد

کچھ سکونِ دل نہ حاصل ہو سکا مجھ کو شکیلؔ
اس کے آنے سے نہ پہلے اور نہ پھر جانے کے بعد

●●●

غزل

سویا ہوں زندگی کی مسلسل تھکن کے بعد
خواہش تمام ہو گئی گور و کفن کے بعد

میرا جو ہم زباں تھا وہی جب بچھڑ گیا
باقی رہا نہ ذوقِ سخن، ہم سخن کے بعد

دل کو دیارِ غیر میں راحت نہ مل سکی
''قدرِ وطن ہوئی ہمیں ترکِ وطن کے بعد''

سائے میں غم کے جیتا ہوں میں اس یقین سے
خوشیاں نصیب ہوتی ہیں رنج و محن کے بعد

دار و رسن کے خوف سے ڈرتا نہیں ہوں میں
آگے بھی اک حیات ہے دار و رسن کے بعد

اس کی طلب نے پھر مجھے بیزار کر دیا
دل کو سکون آیا تھا کتنے جتن کے بعد

اس حبس ناروا سے نہ گھبرایئے کبھی
تازہ ہوا چلی ہے ہمیشہ گھٹن کے بعد

خاکِ وطن کو اوڑھ کے سو جاؤں گا شکیلؔ
خواہش رہے گی کوئی نہ خاکِ وطن کے بعد

●●●

غزل

کسی کی قدر گھٹانے سے کچھ نہیں ہوگا
ہوا میں تیر چلانے سے کچھ نہیں ہوگا

خود اپنا رخت سفر تم کو باندھنا ہے جناب
کسی سے آس لگانے سے کچھ نہیں ہوگا

دُھلیں گے اشک ندامت سے داغ دامن کے
جناب گنگا نہانے سے کچھ نہیں ہوگا

نظر نظر سے ملاؤ تو کوئی بات بنے
صنم یہ آنکھ چرانے سے کچھ نہیں ہوگا

کرو وہ کام کہ کردار بھی مہکنے لگے
بدن پہ عطر لگانے سے کچھ نہیں ہوگا

دلوں میں پھول کھلاؤ تو کوئی بات بھی ہو
دلوں میں آگ لگانے سے کچھ نہیں ہوگا

تمام بگڑے عناصر سے لڑنا ہوگا شکیلؔ
گلی میں شور مچانے سے کچھ نہیں ہوگا

غزل

کچھ مصلحت سے کام چلانا پڑا مجھے
ذرّے کو آفتاب بتانا پڑا مجھے

یوں ہی نہیں ہوا ہے یہ شاداب گلستاں
خونِ جگر بھی اس میں ملانا پڑا مجھے

دنیا نے جب لیا مری ہمت کا امتحان
آندھی میں بھی چراغ جلانا پڑا مجھے

لمحوں کو خوشگوار بنانے کے واسطے
صدیوں کو داؤں پر بھی لگانا پڑا مجھے

اس خود غرض زمانے میں کاندھے نہ مل سکے
اپنا جنازہ خود ہی اٹھانا پڑا مجھے

اپنے ہی میں دیار میں گم نام ہو گیا
نام و نسب بھی اپنا بتانا پڑا مجھے

جب باغباں خزاں کا طرفدار ہو گیا
صحرا کو لالہ زار بنانا پڑا مجھے

ہونے لگا جو سرد مری قوم کا لہو
تب کربلا کا ذکر سنانا پڑا مجھے

گلشن کی آبرو کو بچانے کے واسطے
خونِ جگر سے اپنے نہانا پڑا مجھے

جب دُشمنی کی دھوپ سے جلنے لگا بدن
تب دوستی کے سائے میں جانا پڑا مجھے

جب ڈھک لیا فضاؤں کو نفرت کی رات نے
اُلفت کا اک چراغ جلانا پڑا مجھے

حالات سازگار بنانے کو اے شکیلؔ
میدانِ کارزار میں آنا پڑا مجھے

غزل

نہ کوئی فکر نہ حزن و ملال کرتے ہیں
ہم اپنے خون سے صحرا کو لال کرتے ہیں

ہم اپنی ذات سے اکثر سوال کرتے ہیں
''جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں''

انہیں کے نام زمانے کی سرفرازی ہے
جو لوگ فکر عروج و زوال کرتے ہیں

کسی کا دل نہ دُکھائیں گے اپنی باتوں سے
ہر ایک بات میں ہم اعتدال کرتے ہیں

جو مانگنا ہے ہمیں ہم اسی سے مانگیں گے
نہیں زمانے سے دست سوال کرتے ہیں

زمانہ جس کی نہ کوئی مثال دے پائے
جو کام کرتے ہیں ہم بے مثال کرتے ہیں

مرے خیالوں میں خوشبو سی آنے لگتی ہے
وہ اس ادا سے مری دیکھ بھال کرتے ہیں

عطا وہ کرتا ہے مخصوص نعمتیں ان کو
جو امتیازِ حرام و حلال کرتے ہیں

شکیلؔ قدر نہیں کرتے وہ محبت کی
جو دوستی پہ مری احتمال کرتے ہیں

●●●

غزل

خود سے کرنا ہے اک سوال مجھے
اس کا رہتا ہے کیوں ملال مجھے

رازِ دل جس پہ میں عیاں کرتا
کوئی ملتا تو ہم خیال مجھے

تیری نظروں سے مے چھلکتی ہے
تھوڑی ساقی پلا، نہ ٹال مجھے

ضبط پیہم ہمارا شیوہ ہے
اس نے بخشا ہے وہ کمال مجھے

آ بھی جاؤ کہ اے صنم میرے
اب کھٹکتے ہیں ماہ و سال مجھے

اس میں خوشبو تری مہکتی ہے
تو نے بھیجا تھا جو رُمال مجھے

چاند تارے بھی جس سے شرمائیں
یاد ہے تیرا وہ جمال مجھے

میرے شعروں کو وہ جِلا دے کر
کر دیا اس نے لازوال مجھے

اب نہ آئے گا آسماں سے کوئی
خود کی کرنی ہے دیکھ بھال مجھے

خود کے اندر سمیٹ لوں خود کو
کر عطا اتنا اعتدال مجھے

تو ہی دیتا ہے زخم کو مرہم
چور زخموں سے ہوں سنبھال مجھے

عشق کا درد مجھ کو دے کے شکیلؔ
کر دیا اُس نے مالا مال مجھے

●●●

غزل

جو حل نہ ہو سکے ایسا کوئی سوال نہیں
کمال یہ ہے کہ اس میں کوئی کمال نہیں

میں اک اکیلا نہیں کہہ رہے ہیں اہل نظر
ترے جمال کی پیدا کوئی مثال نہیں

بلند ہوں گے نہیں میری نصرتوں کے علم
زمین خود مرے خوں سے جو ہو گی لال نہیں

جو نفرتوں کے دیے ہیں وہ بجھ ہی جائیں گے
چراغِ عشق کو لیکن کبھی زوال نہیں

عجیب ڈھنگ سے رُوٹھا وہ اب کی بار شکیلؔ
ملال یہ ہے کہ دل کو کوئی ملال نہیں

غزل

ہر ایک زخم کو پھولوں کی طرح پالا ہے
ہمارے جینے کا انداز ہی نرالا ہے

اُٹھو کہ منزلِ مقصود تک پہونچ جائیں
اندھیرا چھٹ چکا سورج نکلنے والا ہے

ہوس کی بلّی نے اپنے نکیلے پنجوں سے
وفا شعار کبوتر کو نوچ ڈالا ہے

یہ فلسفہ نہ ہماری سمجھ میں آ پایا
کہاں چراغ جلا اور کہاں اُجالا ہے

ہر ایک سمت محبت کے پھول بکھرے ہیں
یہ کون آج مرے گھر میں آنے والا ہے

سکون ملتا نہیں دل کو اب کسی کروٹ
تری نگاہوں کے جادو نے مار ڈالا ہے

کوئی حسین سی مورت بسی ہے دل میں شکیلؔ
یہ میرا دل نہیں ہے پیار کا شوالا ہے

غزل

غموں کی بھیڑ ہے لیکن نہیں اُداس ہوں میں
چھلکتا جام ہوں ٹوٹا نہیں گلاس ہوں میں

یہ میری تشنہ لبی کو نہ چھیڑئے صاحب
سمندروں کو بھی پی جاؤں ایسی پیاس ہوں میں

تمام اہل خرد مجھ سے درس لیتے ہیں
یہ کس نے کہہ دیا تم سے کہ دیوداس ہوں میں

بھلا دو مجھ کو تو میں تم سے دُور ہو جاؤں
مجھے خیال میں رکھو تو آس پاس ہوں میں

جدھر بھی دیکھوں نظر اس کا نور آتا ہے
اب اس کے عشق میں اس درجہ بدحواس ہوں میں

شکستہ پر سے بھی پرواز کرتا رہتا ہوں
کسی کے جینے کا مقصد کسی کی آس ہوں میں

یہ میرے چہرے کی رنگت نہ دیکھیے صاحب
شکیلؔ خوش ہوں بظاہر مگر اُداس ہوں میں

غزل

نہ کوئی ولولہ نہ دلکشی ہے
یہ کیسی زندگی یہ زندگی ہے

یہ کس نے زلف کھولی ہے فضا میں
ہواؤں میں مہک گھلنے لگی ہے

سمندر پی کے آسودہ نہیں ہوں
یہ آخر کس طرح کی تشنگی ہے

جلایا ہے چراغِ عشق جب سے
ہوا میں اس قدر کیوں بے کلی ہے

خلش کانٹوں کی کیسے جان پائے
وہ جس کی پھول ہی سے دوستی ہے

غریبی پھر رہی ہے در بدر جو
امیر وقت کی یہ بے حسی ہے

نہ جانے کس گھڑی رُک جائیں سانسیں
نہیں کچھ اعتبارِ زندگی ہے

چراغِ امن کو مولیٰ بچا لے
ہواؤں میں بہت نفرت بھری ہے

●●●

غزل

حالات کے تقاضے سے جو بے خبر ہوئے
وہ گردشِ زمانہ سے زیر و زبر ہوئے

آتے نہیں تھے وہ جو قطار و شمار میں
دولت ملی تو دہر میں وہ معتبر ہوئے

ان کی بلندیوں کو نظر کس کی لگ گئی
مدفون کیسے عشق کے دیوار و در ہوئے

دشواریٔ حیات بھی آسان ہو گئی
جب سے جناب آپ مرے ہم سفر ہوئے

یہ کیسا انقلاب زمانے میں آگیا
بیکار، میرے شہر کے اہل ہنر ہوئے

منزل بھی اُن کے زیر قدم آگئی شکیلؔ
بگڑی ہوئی ہوا سے جو سینہ سپر ہوئے

غزل

اے مرے یار ہم سفر تنہا
آپ آئیں گے کیا ادھر تنہا

زندگی ہے طویل کم بھی ہے
کٹ نہ پائے گا یہ سفر تنہا

ہر طرف زندگی کے میلے تھے
ہم بھٹکتے رہے مگر تنہا

جو اٹھا اعتبار رہبر سے
کاٹ دی ہم نے رہ گزر تنہا

گر مناسب ہو ساتھ لیتے چلیں
آپ جائیں گے اب کدھر تنہا

آپ آئے تو زندگی آئی
سونا سونا تھا میرا گھر تنہا

ان کے آنے سے کچھ سکون ملا
دل تڑپتا تھا رات بھر تنہا

تیرے جانے سے گھر ہوا سونا
دیکھا کرتا ہوں بام و در تنہا

ظلمت شب سے ایک جگنو شکیلؔ
لڑتا رہتا ہے رات بھر تنہا

●●●

غزل

اپنا جلوہ دکھا دیجیے
رُخ سے پردہ ہٹا دیجیے

پھول دل میں کھلا دیجیے
اے صنم مسکرا دیجیے

جام اُلفت پلا دیجیے
آگ دل کی بجھا دیجیے

بزم میں نور ہو جائے گا
''اک غزل گنگنا دیجیے''

دل کو آجائے گا کچھ سکوں
بیتی باتیں بھلا دیجیے

آپ کا میں خطا کار ہوں
جو ہو مرضی سزا دیجیے

دل کے پنجرے میں جو قید ہے
وہ کبوتر اُڑا دیجیے

خوابِ غفلت میں سوئے ہیں جو
اب تو اُن کو جگا دیجیے

عشق ہی زندگی ہے شکیلؔ
آپ سب کو بتا دیجیے

●●●

غزل

ایسے حالات بھی بنائے گئے
رُوٹھ کر مجھ سے میرے سائے گئے

سب کو سایہ جو دے رہے تھے شجر
سوکھنے پر وہی جلائے گئے

جھوٹ جو بولنے کے ماہر تھے
ڈھونڈ کر ایسے لوگ لائے گئے

اپنے شادابیِ چمن کے لیے
خون کتنے یہاں بہائے گئے

پھر بھی حق بولنا نہ ختم ہوا
دار پر سر کئی سجائے گئے

حسرتِ دید یوں بڑھی دل میں
ان کی محفل میں بن بلائے گئے

تیرگی بے وفائیوں کی بڑھی
اور چراغِ وفا بجھائے گئے

ہم نے حق بولنا نہیں چھوڑا
اِس لئے دار پر چڑھائے گئے

غیر کی بات کیا کریں بھی شکیلؔ
اپنے لوگوں میں ہم ستائے گئے

●●●

غزل

بہت محدود رکھتا ہوں میں اپنے دل کی خواہش کو
نہیں اچھا سمجھتا ہوں کبھی اپنی نمائش کو

بہت محتاط رہیے اس زمانے کی محبت سے
''زمانہ ساتھ رکھتا ہے نوازش میں بھی سازش کو''

یقیناً کامیاب و کامراں وہ ہو ہی جاتے ہیں
جو دل سے ترک کر دیتے ہیں بیجا اپنی خواہش کو

جو پابند محبت ہوگئے آزاد ہوتے ہی
کبھی خاطر میں لاتے ہی نہیں کوئی بھی بندش کو

وہی خالق وہی مالک وہی رازق ہے ہم سب کا
وہی تو در گزر کرتا میری ساری لغزش کو

شکیلؔ آؤ محبت کی فضا ہموار کرتے ہیں
چلو سب مل کے توڑیں نفرتوں کی خاص بندش کو

غزل

دھڑکنیں دل کی مری اور بڑھانے والا
سارا گھر لے گیا گھر چھوڑ کے جانے والا

جانے کیا سوچ کے دل اس کا بھی بھر آیا تھا
خود بھی رویا ہے، بہت مجھ کو رُلانے والا

زندہ رہتا ہے وہ تاریخ کے ایوانوں میں
اپنی تہذیب و تمدن کو بچانے والا

کچھ سمجھتا ہی نہیں درد جدائی کیا ہے
گل پہ بیٹھی ہوئی تتلی کو اُڑانے والا

امن کا ابر لیے ظلم کے انگاروں پر
آگیا آگ کو گلزار بنانے والا

کیسا دنیا کا یہ دستور نرالا ہے شکیلؔ
گھر میں رہتا ہی نہیں گھر کو بنانے والا

غزل

منتظر ہوں میں اک زمانے سے
پھول کھلتے تھے مسکرانے سے

ایک مدت سے چاند دیکھا نہیں
چھت پہ آجا کسی بہانے سے

جام ہاتھوں میں آکے چھوٹ گیا
تشنہ لوٹے شراب خانے سے

زندگی روٹھی روٹھی رہتی ہے
اے صنم تیرے دُور جانے سے

مشک بن کر یہ پھیل جاتا ہے
''عشق چھپتا نہیں چھپانے سے''

دل بھی ہوتا ہے آئینے کی طرح
ٹوٹ جائے گا آزمانے سے

اُس کو میں بھولنا بھی چاہوں اگر
بھولتا ہی نہیں بھلانے سے

اُن سے ملنے شکیلؔ جایا کرو
ربط بڑھتا ہے آنے جانے سے

●●●

غزل

محسن و مہرباں نہیں رکھتے
ہم کوئی ہم زباں نہیں رکھتے

جس سے ملتے ہیں دل سے ملتے ہیں
دل کو ہم بدگماں نہیں رکھتے

راز افشا کبھی نہ ہوگا مرا
ہم کوئی راز داں نہیں رکھتے

مصلحت سے خموش رہتے ہیں
یہ نہ سمجھو زباں نہیں رکھتے

جو محبت کے پاسدار ہیں وہ
نفرتوں کی دُکاں نہیں رکھتے

بولتے ہیں وہ دوسروں کی زباں
خود جو اپنی زباں نہیں رکھتے

کس صفائی سے قتل کرتے ہیں
خون کے بھی نشاں نہیں رکھتے

جو ہیں اہل زباں وہ پاس شکیلؔ
تیغ، تیر و کماں نہیں رکھتے

●●●

غزل

کوئی گمنام کی صدا ہے وہ
بھٹکے راہی کا راستہ ہے وہ

کوئی منزل نہ کوئی گھر اس کا
جس طرف دیکھو جا بجا ہے وہ

سو بھی جاؤں تو ایسا لگتا ہے
میری آنکھوں میں جاگتا ہے وہ

اس کی قسمت چمکنے لگتی ہے
اک نظر جس کو دیکھتا ہے وہ

ہم محبت سے پوجتے ہیں اسے
دل کے مندر کا دیوتا ہے وہ

بعد میں اپنی بات رکھتا ہے
پہلے لفظوں کو تولتا ہے وہ

ہم گنہگاروں سے ہے ربط اس کا
یہ الگ بات پارسا ہے وہ

جو دعاؤں کا میری حاصل ہے
زیست کا میری مدعا ہے وہ

تیرے چہرے پہ دھول ہے کتنی
''سچ بتا دے گا آئنہ ہے وہ''

میں سمندر سمجھ رہا تھا جسے
چند قطروں میں بک گیا ہے وہ

اس سے کچھ بھی نہاں نہیں ہے شکیلؔ
دل کے سب حال جانتا ہے وہ

●●●

غزل

جو چند ہوں تو گناؤں اے میرے یار فریب
رہِ وفا میں ملے مجھ کو بے شمار فریب

وفا خلوص و محبت یہ پیار وار فریب
میں تیرے وعدے پہ کھاتا ہوں بار بار فریب

یہی سبب ہے کہ منزل نہ مل سکی مجھ کو
کہ مجھ کو دیتا رہا میرا غمگسار فریب

یقین کیسے کرے دل تمہاری باتوں پر
''یہ بار بار دلاسے یہ بار بار فریب''

ہمارے غم کا مداوا کوئی نہیں کرتا
ہمارے ساتھ بھی کرتے ہیں غمگسار فریب

کبھی کبھی تو یہ محسوس مجھ کو ہوتا ہے
کہ مجھ سے کرتے ہیں اپنے ہی جاں نثار فریب

وہ بے وفا ہے فریبی ہے جانتا ہوں شکیلؔ
میں جان بوجھ کے کھاتا ہوں بار بار فریب

غزل

دل کی وحشت سے ڈر گیا ہوں میں
جیسے اندر سے مر گیا ہوں میں

اب تو میرا کوئی وجود نہیں
ریزہ ریزہ بکھر گیا ہوں میں

مجھ کو کانٹوں سے کوئی خوف نہیں
ہنستے پھولوں سے ڈر گیا ہوں میں

مجھ کو منزل نہ مل سکی لیکن
حد سے آگے گزر گیا ہوں میں

اپنے اشعار سے حریفوں کے
دل کے اندر اُتر گیا ہوں میں

اس کی چاہت میں خود کو کر کے فنا
ایسا لگتا سنور گیا ہوں میں

اس کے ماتھے پہ کچھ شکن بھی نہیں
جس کی چاہت میں مر گیا ہوں میں

خود بلندی سے تنگ آ کے شکیلؔ
پستیوں میں اُتر گیا ہوں میں

●●●

غزل

ایسے حالات کے ستائے تھے
دُھوپ میں بھی نہ اپنے سائے تھے

آسماں سے برس پڑے بادل
بعد مدت کے مسکرائے تھے

میرے اندر تھی ٹوٹ پھوٹ مگر
آپ لب پر ہنسی سجائے تھے

ایک مظلوم کی صداؤں پر
آسماں سے عذاب آئے تھے

اس کی یادوں نے آ کے تھام لیا
جب قدم میرے ڈگمگائے تھے

نیند مجھ کو سہانی آئی تھی
اس کی زلفوں کے ایسے سائے تھے

اس کے تیروں سے خوف کیا کھاتا
تیر سب میرے آزمائے تھے

شدتِ غم سے تھے نڈھال شکیلؔ
آس اس سے مگر لگائے تھے

●●●

غزل

جلتا ہوا چراغ بجھا پائے گی نہیں
میرے خلاف کوئی ہوا آئے گی نہیں

لب پر خلوصِ دل سے دعا آئے گی نہیں
پھر تو کرم کی کوئی گھٹا چھائے گی نہیں

دُوری جو علم سے ہے اگر جائے گی نہیں
بگڑی ہوئی جو بات ہے بن پائے گی نہیں

جگنو ہوں میں چراغ نہیں ہوں جو بجھ سکوں
آندھی مرا وجود مٹا پائے گی نہیں

حاصل جو اس کا لمس مقدر سے ہو سکے
خوشبو کبھی وجود سے پھر جائے گی نہیں

پانی ہی اُس کی آنکھ کا جب مر گیا شکیلؔ
سوکھے کنویں سے کوئی صدا آئے گی نہیں

غزل

کوئی کھڑکی نہ کوئی در ہوگا
خود ہی سوچو وہ کیسا گھر ہوگا

اُس کا آسان ہر سفر ہوگا
جس کا سامان مختصر ہوگا

خوف وحشت نہ کوئی ڈر ہوگا
وہ اگر اپنا ہم سفر ہوگا

اس کی ہوگی نظر بلندی پر
پاؤں جس کا زمین پر ہوگا

عظمت عشق وہ ہی سمجھے گا
جو بشر صاحب نظر ہوگا

کوئی منزل سے آشنا ہی نہیں
کون اب اپنا راہبر ہوگا

یہ حقیقت ہے دیکھنا اک دن
دامن دشت میرا گھر ہوگا

ہے جو اردو زبان سے واقف
اُس کا لہجہ بھی پُر اثر ہوگا

خواب ہی یہ ہمارا خواب رہا
اُن کے کوچے میں اپنا گھر ہوگا

جھوٹ سے جو وجود پائے گا
پاؤں ہوں گے نہ اس کے سر ہوگا

جس کے پیروں میں چھالے ہوں گے شکیلؔ
ہاں وہی میرا راہبر ہوگا

●●●

غزل

دَور نفرت کا ہے عداوت کا
وقت اچھا نہیں محبت کا

ہیں جو بازار نفرتوں کے وہاں
سکہ چلتا نہیں شرافت کا

کیڑا پتھر میں رزق پاتا ہے
یہ کرشمہ ہے اس کی قدرت کا

مٹ گیا نام اس کا مرتے ہی
زعم تھا جس کو اپنی شہرت کا

جھوٹ برداشت مجھ سے ہوتا نہیں
کیا کروں یار اپنی عادت کا

عدل و انصاف بک رہے ہیں یہاں
اعتبار اُٹھ گیا عدالت کا

زندگی اپنی شرم سار ہوئی
حال دیکھا جب اپنی حالت کا

آج نفرت کی وادیوں میں شکیلؔ
لٹ گیا قافلہ محبت کا

●●●

غزل

مری پشت پر ہے خندق مرے سامنے کنواں ہے
مرے دل ذرا سنبھلنا بڑا سخت امتحاں ہے

تو بچھڑ کے جانے والے ذرا جلد لوٹ آنا
ابھی بزمِ دل سجی ہے ابھی آرزو جواں ہے

کہیں نفرتوں کے نشتر کہیں مذہبوں کے جھگڑے
کہ سفیر امن آخر تو چھپا ہوا کہاں ہے

مرے دو جہاں کے مالک تری شان ہے نرالی
کبھی آگ پاسباں ہے کبھی دھوپ سائباں ہے

کبھی روئے گل کو دیکھا کبھی چاند کی ضیا کو
ترے حسن کے مقابل کوئی دوسرا کہاں ہے

میں شکیلؔ زندگی بھر رہا فکر کے سفر میں
مری محنتوں کا حاصل یہی گردِ کارواں ہے

غزل

وفا کے نام پہ پیہم ستم نہیں بھولا
میں بے وفائیاں تیری صنم نہیں بھولا

خیال و فکر میں روشن ہیں عظمتیں اُن کی
''ابھی میں حضرت رہبرؔ کا غم نہیں بھولا''

جہاں سے ملتا ہے پیغامِ آگہی مجھ کو
کرم ہے رب کا وہ بابِ حرم نہیں بھولا

گلاب جیسے مہکتے وجود بھولا مگر
میں پتھروں کے ابھی بھی صنم نہیں بھولا

نقوش ہجر کے آئینۂ خیال میں ہیں
جو تیرے عشق نے بخشے ہیں غم نہیں بھولا

اُلجھ کے رہ گئی تھی جس میں زندگی اپنی
میں تیری زُلف کے وہ پیچ و خم نہیں بھولا

ادب کے کتنے بھی روشن چراغ ہیں تجھ سے
میں آج بھی ترے جاہ وحشم نہیں بھولا

یہ اور بات لبوں پر سکوت طاری ہے
مگر جو لکھنا تھا میرا قلم نہیں بھولا

میں بھول بیٹھا ہوں دنیا کے سارے غم بھی شکیلؔ
کئے تھے تو نے جو لطف و کرم نہیں بھولا

●●●

غزل

وہ اگر ہم سفر نہیں ہوتے
ہم کبھی راہ پر نہیں ہوتے

یہ جو اہل نظر نہیں ہوتے
کوئی دیوار و در نہیں ہوتے

مطمئن ہیں جو اس کی مرضی سے
وہ کبھی در بہ در نہیں ہوتے

یہ جو تنقید سب پہ کرتے ہیں
آئنے ان کے گھر نہیں ہوتے

پتھروں سے جو رشتہ رکھتے ہیں
ان کے شیشے کے گھر نہیں ہوتے

ان کی ہوتی نہ گر نظر مجھ پر
ہم کبھی معتبر نہیں ہوتے

گر یہ بنجر زمین ہو جاتی
پھول بھی شاخ پر نہیں ہوتے

اپنی ہستی کو بھول جائیں شکیلؔ
اس قدر بے خبر نہیں ہوتے

●●●

غزل

کیسے زباں سے کہہ دوں کہ تیرا کرم نہیں
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں

ویران ہو گئے مرے دل کے صنم کدے
یہ کیسے بت کدے ہیں جہاں پر صنم نہیں

قسمت میں جو بھی ہوگا وہی ہوگا دوستو
دل میں کسی بھی بات کا پالا بھرم نہیں

وہ منزلوں سے اپنی بھٹکتا رہا سدا
اس کی نگاہِ ناز کا جس پر کرم نہیں

حالانکہ رہ رہا ہوں میں کچے مکان میں
لیکن مرا مزاج رئیسوں سے کم نہیں

بیوہ یتیم بچوں کا جو مال کھا گیا
وہ شخص ہے لعین کوئی محترم نہیں

انسانیت بچے گی وہاں کس طرح شکیلؔ
محفوظ جس دیار میں دیر و حرم نہیں

غزل

بہاروں میں مہکتے پھول کی اک انجمن ہم ہیں
محبت کے اخوت کے حسیں دلکش چمن ہم ہیں

کسی بھی بات کا شکوہ لبوں پر ہم نہیں رکھتے
جو اپنی رَو میں بہتی ہے وہی گنگ و جمن ہم ہیں

محبت سے محبت کو کوئی پیغام بھیجا تھا
بس اتنی بات پر کیوں قابل دارو رسن ہم ہیں

ہمارے عشق سے ہی حسن کا پیکر نکھرتا ہے
ترے حسن تخیل کا حسیں اک بانکپن ہم ہیں

یہاں کے ذرّے ذرّے میں ہمارا خون شامل ہے
بہاریں ہم سے روشن ہیں یہاں جانِ وطن ہم ہیں

فضاؤں کو معطر کرتے ہیں ہم اپنی خوشبو سے
کبھی چمپا کبھی بیلا کبھی جوہی سمن ہم ہیں

غزل

عشق میں اس کی آن بان کے ساتھ
دن گزرتے تھے اپنے شان کے ساتھ

یہ زمیں تو زمین ہے لیکن
رشتہ رکھتی ہے آسمان کے ساتھ

عظمت خوں وہی سمجھتے ہیں
جو بھی رہتے ہیں خاندان کے ساتھ

عزتِ نفس کیجئے محفوظ
ربط رکھئے نہ بد زبان کے ساتھ

اس کی عزت بھی ہے بلندی پر
تیر جب تک کہ ہے کمان کے ساتھ

کوئی رشتوں کا پاس رکھتے نہیں
ایسے رہتے ہیں خاندان کے ساتھ

آسمانوں پہ بجلی کڑکے گی
ظلم کیجے نہ بے زبان کے ساتھ

زندگی بس سوال کرتی رہی
عمر گزری ہے امتحان کے ساتھ

عرش پر بھی صدائیں گونجیں گی
دل بھی گریاں ہو گر زبان کے ساتھ

یہ الگ بات ہو گیا ہے کھنڈر
دل کا رشتہ ہے اس مکان کے ساتھ

غم دنیا کا زہر پی کے شکیلؔ
جبر کرتا ہوں اپنی جان کے ساتھ

●●●

غزل

زندہ ہو زندگی کی بات کرو
غم کو چھوڑو خوشی کی بات کرو

ہے بھروسہ جو اس کی رحمت پر
نہ کبھی بے بسی کی بات کرو

زندگی خود ہی مسکرائے گی
پھول شبنم کلی کی بات کرو

منزلوں پر نظر رکھو اپنی
نہ کبھی گمرہی کی بات کرو

چڑھتے دریا پہ بات خوب ہوئی
کچھ تو تشنہ لبی کی بات کرو

اب اندھیروں کا ذکر چھوڑو شکیلؔ
آؤ کچھ روشنی کی بات کرو

غزل

دل کی وادی میں اُجالا بھیج دے
اک محبت کا ستارا بھیج دے

کشتیٔ جاں کو کنارا بھیج دے
ایک تنکے کا سہارا بھیج دے

رُکنے والی ہے مری نبض حیات
''اے خدا کوئی مسیحا بھیج دے''

زندگی کے سب اندھیرے دُور ہوں
پیار کا ایسا اُجالا بھیج دے

کوئی میری خاص فرمائش نہیں
جو مرے حق میں ہو اچھا بھیج دے

جو اندھیروں کے مسافر ہیں شکیلؔ
اُن کی راہوں میں اُجالا بھیج دے

غزل

ذہن و دل کو عشق میں مہکائے گا تیرا خیال
پھول بن کر زندگی میں آئے گا تیرا خیال

بھولی بسری یادیں آکر دل مرا بہلائیں گی
جب کبھی فرقت میں ہمدم آئے گا تیرا خیال

وادیٔ وحشت زدہ بھی مجھ کو راس آ جائے گی
جب خیال و فکر پر چھا جائے گا تیرا خیال

بزمِ ہستی جھوم کر ہو جائے گی نغمہ سرا
ابر کی مانند جب گھر آئے گا تیرا خیال

جو بھی آیا ہے جہاں میں اس کو جانا ہے شکیلؔ
تو چلا جائے گا بس رہ جائے گا تیرا خیال

●●●

غزل

کج ادا بے حسی چھپائے ہوئے
کیسا چلتا ہے سر اُٹھائے ہوئے

جب سے دیکھا ہے بے حجاب اسے
چاند پھرتا ہے منھ چھپائے ہوئے

آپ آئے تو کچھ خوشی آئی
عرصہ گزرا تھا مسکرائے ہوئے

داؤں کس پر لگائیں اب آخر
سارے مہرے ہیں مات کھائے ہوئے

اس کی راہوں میں اب بھی بیٹھے ہیں
شمع اُمید کی جلائے ہوئے

آسمانوں پہ ہے نظر اس کی
وہ جو چلتا ہے سر جھکائے ہوئے

روشنی آنکھ کی ہوئی رخصت
خواہش دید کو دبائے ہوئے

وہ ہی قاتل وہی مسیحا ہے
وہ جو بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے

ان کی آہوں سے بچ کے رہنا شکیلؔ
جو ہیں حالات کے ستائے ہوئے

●●●

غزل

دل کے زخموں کو بھی ہر حال میں بھر جاتا ہے
وقت جیسے بھی گزرتا ہے گزر جاتا ہے

وقت لگ جاتا ہے اک زخم کو بھرتے بھرتے
اتنی جلدی کہاں لہجے کا اثر جاتا ہے

اس کا اندازِ تبسم تو خدا خیر کرے
تیر کی طرح کلیجے میں اُتر جاتا ہے

گردشِ وقت کے تیور بھی عجب ہوتے ہیں
تپتا سورج بھی اندھیروں میں اُتر جاتا ہے

کوچۂ یار میں کچھ ایسی کشش ہے یارو
دل نہیں کرتا ہے جانے کو مگر جاتا ہے

دیس کی آن پہ جو جان لٹا دے اپنی
بن کے خوشبو وہ فضاؤں میں بکھر جاتا ہے

عزتِ نفس پہ کچھ آنچ نہ آنے دوں گا
سر بھی جاتا ہے چلا جائے اگر جاتا ہے

غزل

پُر سکوں زندگی محبت کی
دل کو حاصل خوشی محبت کی

باغ میں ہیں طیور نغمہ سرا
کھل اُٹھی ہے کلی محبت کی

ظلمت شب کا سایہ چھٹ جائے
کیجئے روشنی محبت کی

کوئی اُلفت کی بات سنتا نہیں
کس قدر ہے کمی محبت کی

آپ کے لب پہ مچلے گی خوشبو
بات کیجے کبھی محبت کی

زندگی بھر نہ ذائقہ بھولے
ہے عجب چاشنی محبت کی

تشنگی دل کی دُور ہوگی شکیلؔ
کیجئے شاعری محبت کی

غزل

حالات کی گردش پہ نظر ہے کہ نہیں ہے
جلتا ہے چمن تجھ کو خبر ہے کہ نہیں ہے

دُنیا کی کوئی فکر نہ عقبیٰ کا کوئی خوف
آنکھوں میں ترے کوئی بھی ڈر ہے کہ نہیں ہے

اک طرفہ محبت نہ بنے جان کی دشمن
جو آگ اِدھر ہے وہ اُدھر ہے کہ نہیں ہے

حالات کی اس آگ نے جھلسا دیا جن کو
ان جھلسے درختوں میں ثمر ہے کہ نہیں ہے

دربارِ محبت میں چلو کرتے ہیں سجدے
پھر دیکھیں محبت میں اثر ہے کہ نہیں ہے

دُشوار نہ ہو جائے کہیں راہِ سفر یہ
''لمبا ہے سفر زادِ سفر ہے کہ نہیں ہے''

اے حسن کی دیوی ترے ایوان کرم میں
ہم جیسے دِوانوں کا گزر ہے کہ نہیں ہے

دیوانہ بہت عشق میں بیمار ہے تیرا
اے جانِ غزل تجھ کو خبر ہے کہ نہیں ہے

●●●

غزل

احسان اس کے حسن کا ہے کائنات پر
تعریف زیب دیتی ہے سب اس کی ذات پر

دنیا کے حادثات سے ڈرتا نہیں ہوں میں
ہے مجھ کو اعتماد بہت اس کی ذات پر

کچھ چاند سے بھی چہرے خیالوں میں آگئے
جب تبصرہ ہوا ہے کبھی کالی رات پر

میں نے بڑوں سے سیکھے ہیں آدابِ گفتگو
میں چیختا نہیں ہوں کبھی بات بات پر

آدم کے سارے لوگ ہیں اولاد بالیقین
دیتی ہے بات زیب نہیں ذات پات پر

رہتے ہیں اپنی دُھن میں مگن آپ بس شکیلؔ
کچھ تجزیہ کریں کبھی موت و حیات پر

غزل

راستہ خوشبوؤں سے بھر جائے
جس طرف سے بھی وہ گزر جائے

راہ دُشوار ہے محبت کی
خوف ہو جس کو اپنے گھر جائے

ہیں مناظر اسی کے جلووں کے
جس طرف بھی مری نظر جائے

ہے روش اپنی بھی میانہ روی
جس کو عجلت ہے وہ گزر جائے

ہر طرف نفرتوں کی بستی ہے
عشق کا کارواں کدھر جائے

بستیاں جس نے جلتی دیکھی ہیں
اُس کی آنکھوں سے کیسے ڈر جائے

یوں تو لاکھوں حسیں ہیں چہرے مگر
اُس کی جانب ہی یہ نظر جائے

ظالموں کے خلاف بولوں گا
گر یہ جاتا ہے میرا سر جائے

موسموں کا مزاج بگڑا ہے
کوئی ایسے میں کیسے گھر جائے

کوئی منزل نہ کوئی رہبر ہے
یہ شکیلؔ حزیں کدھر جائے

●●●

غزل

گردشِ وقت پر نظر رکھئے
لمحے لمحے کی ہر خبر رکھئے

منزلیں چوم لیں گی قدموں کو
اس کی یادوں کو ہم سفر رکھئے

زندگی کا یہ فلسفہ ہے جناب
ڈھلتے سورج پہ بھی نظر رکھئے

ہر طرف دیکھیں سنگ باری ہے
آپ محفوظ اپنا سر رکھئے

سننے والا بھی کان دھرتا ہے
اپنے لہجے کو معتبر رکھئے

گردشِ وقت کا تقاضا ہے
ہر قدم پھونک پھونک کر رکھئے

فکر کیجے نہ کچھ زمانے کی
اپنے شانے پہ اپنا سر رکھئے

یہ بھی حالات کا تقاضا ہے
سارے حالات پر نظر رکھئے

سرخ رُوئی نصیب ہوگی شکیلؔ
اپنی آنکھوں میں اس کا ڈر رکھئے

●●●

غزل

اپنی منزل سے بے خبر ہوں میں
کچھ پتا ہی نہیں کدھر ہوں میں

یہ بھی اس کی کرشمہ سازی ہے
جو زمانے میں معتبر ہوں میں

آپ عظمت کو میری سمجھے نہیں
یہ حقیقت ہے بے ضرر ہوں میں

مجھ میں آسیب کتنے پلتے ہیں
جیسے ویران کوئی گھر ہوں میں

لمحے لمحے کی ہے خبر مجھ کو
کون کہتا ہے بے خبر ہوں میں

دل کی دنیا میں کون آئے گا
سنگ ریزوں کی رہ گزر ہوں میں

میری پرچھائیاں بھی ساتھ نہیں
کالی راتوں کا اک سفر ہوں میں

ہے کمی مجھ میں میری فطرت ہے
میں فرشتہ نہیں بشر ہوں میں

عنبریں زلف یار کہتی ہے
مہکی مہکی سی رہ گزر ہوں میں

حسن تخلیق اس کا دیکھو تو
آب، شبنم، شفق، شرر ہوں میں

مجھ کو پڑھتا نہیں ہے کوئی شکیلؔ
اردو اخبار کی خبر ہوں میں

●●●

غزل

کوئی حقیر نہ کمتر دکھائی دیتا ہے
ہر ایک شخص ہی بہتر دکھائی دیتا ہے

ہزار سینے میں اپنے چھپائے ہے طوفاں
خموش جو یہ سمندر دکھائی دیتا ہے

تمہیں خبر بھی ہے اس کے ہے کیا پس منظر
بہت حسین جو منظر دکھائی دیتا ہے

یہی تو پلٹے گا تاریخ کے ورق اک دن
بلند نیزے پہ جو سر دکھائی دیتا ہے

کوئی بتائے بھی تعبیر اس کی کیا ہوگی
ہمیں جو خواب میں خنجر دکھائی دیتا ہے

دلوں سے دور ہوئی ہے خوشی محبت کی
ہر ایک آنکھ میں اب ڈر دکھائی دیتا ہے

تمام گردشِ دوراں سے جو نہیں ہارا
وہ اپنے آپ میں لشکر دکھائی دیتا ہے

بسا ہوا ہے جو رشک گلاب دل میں شکیلؔ
ہر ایک پھول میں دلبر دکھائی دیتا ہے

●●●

غزل

کاش ہم حسینوں سے دوستی نہیں کرتے
غم میں مبتلا اپنی زندگی نہیں کرتے

شاعروں کی فہرس سے نام کاٹ دو میرا
حاسدوں کی بستی میں شاعری نہیں کرتے

تیرگیٔ شب تم سے یہ سوال کرتی ہے
چاند ہو تو کیوں آخر روشنی نہیں کرتے

حد سے ہم گزر جائیں یہ کبھی نہیں ہوگا
ہم کبھی محبت میں خود کشی نہیں کرتے

ہم اسی کو پوجیں گے جو ہمارا خالق ہے
وقت کے خداؤں کی بندگی نہیں کرتے

جو وفا کا پیکر ہے وہ ہمارا ہمدم ہے
ہم غرض کے بندوں سے دوستی نہیں کرتے

جن کو اپنی منزل کا خود پتا نہیں معلوم
ایسے رہنماؤں کی پیروی نہیں کرتے

غزل

مہکی مہکی بہار آنے دو
سبھی کلیوں کو مسکرانے دو

اپنی آنکھوں کی جھیل میں ہمدم
دل کی کشتی کو ڈوب جانے دو

لوگ دیوانہ کہہ رہے ہیں مجھے
مجھ کو اب قہقہہ لگانے دو

زندگی نے کہا کہ میرے صنم
ہو گئی شام مجھ کو جانے دو

ان کی خوشبو سے ہے بہارِ چمن
پھول کلیوں کو مسکرانے دو

روکنے سے کوئی تو رُکتا نہیں
جو بھی جاتا ہے اس کو جانے دو

زندگی کیا ہے میں بتاؤں گا
ریت کا گھر مجھے بنانے دو

دل کا دروازہ ہے کھلا میرے
کوئی آتا ہے اس کو آنے دو

تتلیاں چاہتوں کی آئیں گی
پھول پتی مجھے بنانے دو

کوئی آئے گا دل کی بستی میں
بام و در کو مجھے سجانے دو

تھک گیا ہوں میں چلتے چلتے شکیلؔ
دو گھڑی مجھ کو ٹھہر جانے دو

●●●

غزل

اس زیست کا اپنی بس اتنا ہی فسانہ ہے
تصویر کوئی جیسے پانی پہ بنانا ہے

ویران گلستاں کو گلزار بنانا ہے
ہر شاخِ محبت پر اک پھول سجانا ہے

اب راہِ محبت کو ہموار بنانا ہے
جو عشق میں حائل ہے پردہ وہ ہٹانا ہے

کیا پھول اخوت کے باغوں میں مہکتے تھے
''اک وہ بھی زمانہ تھا اک یہ بھی زمانہ ہے''

جب ظلم زمانے کا حد سے بھی گزر جائے
تب ہم کو بغاوت میں سر اپنا اٹھانا ہے

ہر سمت دہکتی ہے اک آگ بغاوت کی
نفرت کے شراروں سے دامن کو بچانا ہے

وہ آگ لگاتے تھے میں پھول لٹاتا ہوں
کل ان کا زمانہ تھا آج اپنا زمانہ ہے

غزل

پھول کی طرح اُس کو پالا ہے
یہ مرے ہاتھ میں جو چھالا ہے

گھر کی رونق سے یہ ہوا ظاہر
کوئی مہمان آنے والا ہے

کیا اندھیروں نے قہر برپا کیا
سہما سہما ہوا اُجالا ہے

رات کی تیرگی سے کیا ڈرنا
دن کا سورج نکلنے والا ہے

سچ کی راہوں پہ کوئی خطرہ نہیں
راستہ میرا دیکھا بھالا ہے

تذکرہ اس کا کرتا رہتا ہوں
دلِ ناداں کو یوں سنبھالا ہے

گردشِ وقت سے نہ گھبراؤ
پل میں موسم بدلنے والا ہے

اس کی مدحت سرائی کر کے شکیلؔ
رستہ بخشش کا اک نکالا ہے

●●●

غزل

مٹی جو یہ گیلی ہے
موسم کی تبدیلی ہے

ٹھنڈا دل ہو جائے گا
وادی یہ برفیلی ہے

آنکھ چراتی ہے سب سے
کتنی یہ شرمیلی ہے

موم کی گڑیا اوپر سے
اندر سے پتھریلی ہے

جنتر منتر سیکھ لے تو
یہ ناگن زہریلی ہے

تیرے بن اب زیست مری
یوں ہی کالی پیلی ہے

آنکھیں اس کی چھلکا جام
دل نے پیاس بجھا لی ہے

اس سے مل کر ہے لگتا
جیسے منزل پا لی ہے

●●●

غزل

گر جائیں کہیں آپ نہ عجلت میں پھسل کر
یہ عشق کی وادی ہے یہاں چلئے سنبھل کر

آسان نہیں ہے یہاں انساں کو سمجھنا
ملتے ہیں یہاں لوگ کئی بھیس بدل کر

پھولوں کی مہک ہی سے رہا شاد مرا دل
کلیوں کو نہیں دیکھا کبھی میں نے مسل کر

جو برف کی صورت تھے جمے اپنی انا میں
پانی وہ ہوئے عشق کی گرمی سے پگھل کر

مدت سے نہیں دیکھا ہے وہ چاند سا چہرہ
آنکھوں کے مرے اشک یہ کہتے ہیں مچل کر

اک کرب کی شدت سی مرے دل پہ بنی ہے
یہ کون گیا ہے مرے جذبات کچل کر

منزل پہ پہنچنے کی تڑپ دل میں اگر ہے
رکھنا ہے قدم آپ کو ہر آن سنبھل کر

کل ناز تھا محلوں پہ بہت جن کو شکیلؔ آج
ویرانے میں سوئے ہیں وہ بستی سے نکل کر

●●●

غزل

فاقہ مستی میں بھی کردار بنا دیتا ہے
صبر انسان کا معیار بنا دیتا ہے

دل کی قیمت ہی نہیں اس کی نظر میں کوئی
گھر کے آنگن میں جو دیوار بنا دیتا ہے

وقت کے خوف سے ہرگز نہ ہراساں ہو کبھی
خوف انسان کو بیمار بنا دیتا ہے

میری قسمت جو چمک جائے تو حیرت کیسی
''وہ تو صحرا کو بھی گلزار بنا دیتا ہے''

ہوگئی جس پہ بھی اک چشم عنایت اس کی
اس کو وہ صاحب دستار بنا دیتا ہے

ہمت و قوتِ بازو سے مجاہد اپنے
راہِ دُشوار کو ہموار بنا دیتا ہے

زندگی بھر کوئی ٹھوکر نہیں کھاتا ہے شکیلؔ
وقت انسان کو ہشیار بنا دیتا ہے

غزل

سلگتی ریت ہوں رحمت سے اپنی نم کر دے
مرے خدا مری مٹی کو محترم کر دے

جھلستے صحرا کو بخشی ہے تازگی تو نے
مرے بھی دل سے سبھی دور رنج و غم کر دے

ترے حبیب کی چوکھٹ کی خاک بن جاؤں
مرے خدا مرے حصے میں یہ کرم کر دے

جہاں پہ سجدے محبت کے ہوں ادا یارب
ہمارے دل کو محبت کا وہ حرم کر دے

قصیدے لکھتا رہوں گا میں اس کی مدحت میں
زمانہ چاہے مری اُنگلیاں قلم کر دے

بہت سکون ملے گا تجھے زمانے میں
شکیلؔ خواہش دُنیا کو اپنی کم کر دے

غزل

دلوں کے درد کی بیتابیاں کچھ ایسی ہیں
بیان کیا کروں دُشواریاں کچھ ایسی ہیں

تمام اس میں سمندر بھی ڈوب سکتے ہیں
یہ نیلی آنکھوں میں گہرائیاں کچھ ایسی ہیں

دل و دماغ بھی مدہوش ہو گئے اپنے
تمھاری یاد کی پروائیاں کچھ ایسی ہیں

خجل ہیں دیکھ کے تجھ کو یہ چاند تارے بھی
ترے جمال کی رعنائیاں کچھ ایسی ہیں

سکون لینے نہیں دیتیں ایک پل بھی مجھے
مرے خیالوں میں پرچھائیاں کچھ ایسی ہیں

سسک کے رہ گئے ہونٹوں پہ دل کے ارماں بھی
کہ میری زیست میں مجبوریاں کچھ ایسی ہیں

جنہیں زمانہ بھی سنتا ہے لطف لے کے شکیلؔ
ہمارے عشق کی رُسوائیاں کچھ ایسی ہیں

غزل

میکدے عشق کے بازار نظر آتے ہیں
جس طرف دیکھو خریدار نظر آتے ہیں

ہاتھ ہیں ان کے غریبوں کے لہو سے رنگین
جو بہت صاحب کردار نظر آتے ہیں

دل کے کالے ہیں بہت سوچ سمجھ کر ملنا
وہ جو چہرے سے چمکدار نظر آتے ہیں

وقت کی بات ہے جو صاحب مسند کل تھے
آج وہ حاشیہ بردار نظر آتے ہیں

در حقیقت وہی پوشیدہ ہیں دشمن میرے
جو کہ ظاہر میں مددگار نظر آتے ہیں

بیچ ڈالیں نہ یہی عصمت گلشن اک دن
یہ جو گلشن کے پرستار نظر آتے ہیں

ناز تھا جن کو شکیلؔ اپنی مسیحائی پر
اب وہی شکل سے بیمار نظر آتے ہیں

غزل

موسم کے رنگ و روپ میں کچھ دلکشی کہاں
کھلتے ہوئے گلاب میں اب تازگی کہاں

نفرت کی آندھیوں سے وہ سہما ہوا سا ہے
جلتے ہوئے چراغ میں اب روشنی کہاں

جینے کا تو ہی راز تو ہی زندگی مری
تیرے بغیر اپنی کوئی زندگی کہاں

حسن و جمال تیرا ہے عنوانِ زندگی
تیرے بغیر گیت غزل شاعری کہاں

زخموں پہ میرے پیار کا مرہم لگائے جو
ملتا ہے ایسا شہر میں اب آدمی کہاں

ندیاں تو بہتی رہتی ہیں اُلفت کی ان دنوں
لہروں میں اُن کے پیار کی اب نغمگی کہاں

جس پر نثار لوگ کریں زندگی شکیلؔ
دنیا میں اب وہ حسن کہاں عاشقی کہاں

غزل

اپنے کردار کو آئینہ بنایا جائے
پھر کسی غیر پر الزام لگایا جائے

اپنے ماضی کو بھلا کیسے بھلایا جائے
میں جدھر جاؤں مرے ساتھ میں سایا جائے

عقل دیتی ہی نہیں اس کی اجازت مجھ کو
ریت کے ڈھیر پہ گھر کوئی بنایا جائے

بستیاں اپنا مقدر نہ کہیں بن جائیں
کوئی منصوبہ ترقی کا بنایا جائے

آسماں پر بھی کڑک جائے نہ کوئی بجلی
خود کو مظلوم کی آہوں سے بچایا جائے

آج نفرت کا چلن عام ہوا جاتا ہے
سازِ اُلفت پہ کوئی گیت سنایا جائے

میرے حالات نے مجھ کو یہ سکھایا ہے شکیلؔ
رازداں غیر کو ہرگز نہ بنایا جائے

غزل

حالات کے تقاضے پہ اس کی نظر نہیں
اس کو کسی بھی بات کی کوئی خبر نہیں

ظلم و ستم کی آگ یوں پھیلی ہے ہر طرف
بستی میں آج کوئی بھی محفوظ گھر نہیں

لب کھولتا نہیں ہے کوئی ظلم کے خلاف
لگتا ہے جیسے شانے پہ محفوظ سر نہیں

لہجے کو اپنے آپ ذرا تلخ کیجئے
اُس پر گزارشوں کا اگر کچھ اثر نہیں

محرومیاں ہی اس کے مقدر میں آ گئیں
حالات کی بساط پہ جس کی نظر نہیں

ظلمت کی آندھیوں کی ہے یہ سرکشی گواہ
تاریکیوں کو رات کی سورج کا ڈر نہیں

جس سمت سے بھی چاہے ہوا آئے اے شکیلؔ
گھر میں ہمارے کوئی بھی دیوار و در نہیں

غزل

کسی بھی بات کا اس پر اثر نہیں ہوتا
عجیب شخص ہے زیر و زبر نہیں ہوتا

ترا خیال اگر راہبر نہیں ہوتا
شدید دھوپ میں مجھ سے سفر نہیں ہوتا

جو رَن میں جان لٹاتے نہ کربلا والے
کسی بھی شانے محفوظ سر نہیں ہوتا

چراغ عشق کا جلتا ہے جس دریچے میں
وہاں ہواؤں کا کوئی گزر نہیں ہوتا

جو اپنے کعبے کو پہچانتی جبیں اپنی
نصیب اپنا کبھی در بدر نہیں ہوتا

زبان دے کے جو باتوں سے اپنی پھر جائے
کسی نظر میں بشر معتبر نہیں ہوتا

شکیلؔ منزلِ مقصود تو نہیں ملتی
شریک حال جو عزمِ سفر نہیں ہوتا

غزل

کبھی مونس کبھی محسن کبھی اغیار دیتی ہے
یہ دنیا ہر قدم پر اک نیا کردار دیتی ہے

تمہاری اک ہنسی پازیب کو جھنکار دیتی ہے
لرزتے ہاتھ کو بھی عزم کی تلوار دیتی ہے

ہمارے ظرف کو کیوں آزماتے ہو جہاں والو
ہماری تشنگی دریا کو ٹھوکر مار دیتی ہے

فریب و مکر سے اپنے جو سب کو رام کرتا ہے
اسی کو آج دنیا جبہ و دستار دیتی ہے

امنڈ آتے ہیں میری آنکھ میں بھی کرب کے آنسو
کبھی بیٹی جو ماں کو والہانہ پیار دیتی ہے

جنہوں نے جان دے دی حق پہ ان کی داستاں اکثر
مرے دل کی زباں کو اک نئی گفتار دیتی ہے

فلک پر ایسا روشن ہو کہ جیسے صبح کا تارا
بڑی مشکل سے دنیا ایسا اک فنکار دیتی ہے

غزل

آج یہ بات عام کرتے ہیں
زندگی تیرے نام کرتے ہیں

پڑھ کے مومنؔ کی پُر اثر غزلیں
حسن والوں کو رام کرتے ہیں

آپ ہیں بادہ کش ارے توبہ!
بیٹھئے! انتظام کرتے ہیں

مال و زر کی یہ عظمتیں دیکھو
لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں

خواہش مال دل میں رکھ کے شکیلؔ
لوگ نیندیں حرام کرتے ہیں

غزل

کسی کے ساتھ میں ہنسنا تھا مسکرانا تھا
بہت حسین بہاروں کا وہ زمانہ تھا

کھنڈر کو دیکھ کے مجھ کو خیال آتا ہے
یہیں کہیں پہ تو پریوں کا آشیانہ تھا

کسی کے سامنے دست سوال کیا کرتا
مجھے تو اپنے مقدر کو آزمانا تھا

دلِ شکستہ کی بربادیوں پہ کیا رونا
''اس آئنے کے مقدر میں ٹوٹ جانا تھا''

یقین کیسے نہ کرتا میں اس کی باتوں پر
مہکتی باتیں تھیں لہجہ بھی مخلصانہ تھا

شکست کھا گئے کیسے وہ آج باتوں میں
جناب شیخ کا لہجہ تو فاتحانہ تھا

شکیلؔ کون مصیبت میں ساتھ دیتا ہے
مجھے تو بارِ الم اپنا خود اٹھانا تھا

غزل

دلِ ناداں کو کسی طور سے بہلانے کو
میں نے میخانہ بنا رکھا ہے پیمانے کو

موت کا خوف ستاتا نہیں دیوانے کو
عشق ہی عشق نظر آتا ہے پروانے کو

اہلِ دانش بھی سمجھ پائے نہ عظمت اُس کی
''لوگ دیوانہ سمجھتے رہے دیوانے کو''

تیری چاہت کا دیا جب سے ہوا ہے روشن
اک نیا جوش ملا عشق کے پروانے کو

میں نے گلزار بنانے کی قسم کھائی ہے
اپنے ہی خون سے سنسان سے ویرانے کو

دیکھ کر عقل بھی مدہوش ہوئی جاتی ہے
اُس کی آنکھوں کے چھلکتے ہوئے پیمانے کو

عقل دیتی ہی نہیں اس کی اجازت مجھ کو
رازداں اپنا بناؤں کسی بیگانے کو

غزل

جب تک تمہارے عشق میں رُسوا ہوا نہ تھا
گمنام تھا میں، مجھ کو کوئی جانتا نہ تھا

بس اک ذرا سی عرضِ تمنا کی بات تھی
ترکِ تعلقات مرا مدعا نہ تھا

افشا یہ کیسے ہو گیا دُنیا پہ دوستو!
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

جب تک کہ ہاتھ آپ کا تھا ہاتھ میں مرے
عالم یہ تھا کسی کو میں گردانتا نہ تھا

میری وفا کا وہ بھی پرستار ہو گیا
میری طرف جو ایک نظر دیکھتا نہ تھا

گھر تک یہ کیسے آ گئیں رُسوائیاں شکیلؔ
کوئی بھی میرے گھر کا پتہ جانتا نہ تھا

غزل

ہماری شیشہ گری پر سوال آ جائے
گر آئینے میں ذرا سا بھی بال آ جائے

اگر خدا کو ذرا بھی جلال آ جائے
ترے عروج کو پل میں زوال آ جائے

لکھوں جو پھول تو کاغذ سے خوشبو آنے لگے
کچھ ایسا ہاتھوں میں یارب کمال آجائے

ترا غرور تری داستان کچھ بھی نہیں
گر اس کے قہر و غضب کو جلال آجائے

سمندروں کو بھی ٹھوکر میں مار سکتا ہوں
جو میری تشنہ لبی پر سوال آ جائے

سلگتے دشت کو گلزار کردوں پل بھر میں
''جو میرے ہاتھوں میں پھولوں کی ڈال آجائے''

دل آئینہ ہے محبت میں صاف رکھنا شکیلؔ
کہیں نہ چہرے پہ گردِ ملال آجائے

غزل

بھٹک رہا ہوں اندھیروں میں روشنی کے لئے
تمہارا ساتھ ضروری ہے زندگی کے لئے

یقین مانئے بڑھ کر گلے لگا لوں گا
وہ اپنا ہاتھ بڑھائیں تو دوستی کے لئے

تمہارے حسن پہ دلکش کتاب لکھوں گا
نکل کے پردے سے آؤ تو دو گھڑی کے لئے

غموں کی بھیڑ میں چلتا ہوں مجھ کو چلنے دو
ضمیر بیچوں گا ہرگز نہیں خوشی کے لئے

ابھی میں سازِ طرب چھیڑوں کس طرح آخر
ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کے لئے

شکیلؔ لگتا ہے پتھر کے ہو گئے ہیں لوگ
ذرا بھی درد نہیں دل میں اب کسی کے لئے

غزل

نہ کوئی راہ نہ رہبر تلاش کرتا ہے
ہر ایک بات میں وہ شر تلاش کرتا ہے

عجیب شخص ہے میری اُداس آنکھوں میں
حسیں بہار کے منظر تلاش کرتا ہے

مری وفاؤں پہ اس کو یقیں نہیں شاید
وہ آستین میں خنجر تلاش کرتا ہے

جدید دَور کی بستی سے ہے نہیں واقف
وہ آ کے شہر میں چھپر تلاش کرتا ہے

جلا کے رکھ دیا پہلے تو خرمن دل کو
اب آکے اس میں وہ گوہر تلاش کرتا ہے

سنا ہے دشت میں وحشت زدہ دِوانے کو
تمہارے ہاتھ کا پتھر تلاش کرتا ہے

ہمارے ہاتھ پہ بیعت قبول کرنے کو
شکیلؔ ہم کو ستمگر تلاش کرتا ہے

غزل

اس قدر عشق میں بیمار نہیں ہو سکتا
میں ترے پاؤں کی جھنکار نہیں ہو سکتا

جان جاتی ہے چلی جائے کوئی بات نہیں
میں کبھی ملک کا غدار نہیں ہو سکتا

جس میں شامل نہ ہو ایثار کا جذبہ کوئی
وہ کبھی قوم کا سالار نہیں ہو سکتا

آپ نے میری محبت کا بھرم رکھا ہے
آپ سے برسرِ پیکار نہیں ہو سکتا

اپنے پرکھوں کی امانت نہ سنبھالی جس نے
وہ کبھی صاحب دستار نہیں ہو سکتا

اس کا انداز تکلم کہ مہکتے ہیں گلاب
اس کے اصرار کا انکار نہیں ہو سکتا

ایک خوشبو سی مہک جاتی ہے انگنائی میں
ذکر اس کا پس دیوار نہیں ہو سکتا

وقت سے لڑنے کی ہمت نہ ہو جس میں بھی شکیلؔ
وہ کسی چیز کا حقدار نہیں ہو سکتا

●●●

غزل

تیر خنجر سے نہ تلوار سے ڈر لگتا ہے
شہر کی بھیڑ سے بازار سے ڈر لگتا ہے

راہزن اور لٹیروں سے کوئی خوف نہیں
مجھ کو اب قافلہ سالار سے ڈر لگتا ہے

میرے گلشن کی یہ روداد لکھی ہے کس نے
خوں میں ڈوبے ہوئے اخبار سے ڈر لگتا ہے

لٹ نہ جائے کہیں ایمان کی دولت پل میں
اُس کی پازیب کی جھنکار سے ڈر لگتا ہے

ہر طرف چھائے ہیں وحشت کے گھنیرے بادل
مجھ کو طوفان کے آثار سے ڈر لگتا ہے

ٹوٹ جائے نہ کہیں عزم مصمم میرا
زندگی تیرے ہر اک وار سے ڈر لگتا ہے

تبصرہ غیر کے کردار پہ کیا کرتا شکیلؔ
اب مجھے اپنے ہی کردار سے ڈر لگتا ہے

غزل

چلتے چلتے جو تھک گیا سورج
شب کے دامن میں جا چھپا سورج

کر کے تاریک زندگی میری
بدلیاں لے گئیں مرا سورج

اُن کے در کا طواف کرتے ہیں
کہکشاں چاند یہ ہَوا سورج

آج پھر کر گیا اُداس مجھے
سہما سہما تھکا تھکا سورج

خوشبوؤں نے جگا کے مجھ سے کہا
اُٹھئے آنگن میں آ گیا سورج

زندگی کتنی مختصر ہے شکیلؔ
مجھ سے کہتا ہے شام کا سورج

غزل

احساسِ کمتری سے اگر چھوٹ جاؤ گے
میں جانتا ہوں موت کو جینا سکھاؤ گے

میری کتابِ زیست کے پلٹو گے جب ورق
کاغذ پہ کچھ سسکتے ہوئے لفظ پاؤ گے

دنیا کی رہبری تو لکھی ہے ہمارے نام
قدموں کے تم نشان کہاں تک مٹاؤ گے

اک روز تم کو ہونا ہے بے آبرو یہاں
کاغذ کی ناؤ پانی میں کب تک چلاؤ گے

شیشے کا یہ مکان تمھارا بچے گا کیا
لوگوں کے گر مکان پہ پتھر چلاؤ گے

کرنے کو اور کام ہیں دنیا میں اے شکیلؔ
کب تک فراقِ یار میں آنسو بہاؤ گے

غزل

مری وفاؤں کا وہ حق ادا نہیں کرتے
جو میرے درد کی کوئی دوا نہیں کرتے

مزاج میں ہی ہمارے وفا پرستی ہے
کسی کے ساتھ کبھی ہم دغا نہیں کرتے

کسے نواز دے مولا یہ اس کی مرضی ہے
یہ بابِ علم سبھی پر کھلا نہیں کرتے

وہ سہمے سہمے ہیں حالات کے تقاضے سے
فقیر آکے دروں پر صدا نہیں کرتے

یہ تیری یاد ہی کافی ہے زندگی کے لئے
ترے فراق میں ہم دل برا نہیں کرتے

شکیلؔ دل پہ جو گزرے تو ضبط کرتے ہیں
کسی کے حق میں کبھی بد دعا نہیں کرتے

غزل

کچھ عجب میری داستان ہوئی
زندگی جب سے بدگمان ہوئی

جھوٹ کا ایسا شور برپا ہے
ساری سچائی دھان پان ہوئی

لوگ سچ بولنے سے ڈرتے ہیں
قید منھ میں بھی اب زبان ہوئی

یاد اس کی کچھ اس طرح آئی
جیسے صحرا میں بھی اذان ہوئی

کوئی در ہے نہ کوئی دروازہ
زندگی جیسے بے نشان ہوئی

وہ جو نفرت کے کاروباری تھے
بند ان کی بھی اب دُکان ہوئی

ان کے قدموں سے جو ہوئی نسبت
یہ زمیں پل میں آسمان ہوئی

غزل

سرسراتی ہوا جانے کیا لے گئی
اک دلِ مضطرب کی صدا لے گئی

مفلسی بے بسی ہائے کیا لے گئی
''سر سے چادر بدن سے قبا لے گئی''

جس میں تحریر تھی ہجر کی داستاں
خط اُڑا کر وہ پاگل ہوا لے گئی

دن اندھیروں کی آغوش میں آگیا
شام دامن میں سورج چھپا لے گئی

بے بسی میں کھڑے دیکھتے ہم رہے
زندگی کو چرا کر قضا لے گئی

غزل

رنج دل پر نہ زمانے کے کوئی آنے دے
زندگی جیسے گزرتی ہے گزر جانے دے

میں نے کردار کو تلوار بنا رکھا ہے
کوئی دُشمن اگر آتا ہے اسے آنے دے

پھر دکھاؤں گا تجھے قوتِ بازو اپنی
پہلے تلوار مرے ہاتھ میں آجانے دے

ہاں سناؤں گا تجھے گزری کہانی اپنی
دل پہ جو زخم لگے ہیں اُنہیں بھر جانے دے

کسی مظلوم کی عزت کو بچانے میں شکیلؔ
سر سے گرتی ہے جو دستار تو گر جانے دے

غزل

وہ اس ادا سے مری زندگی میں آئے ہیں
غموں کی دھوپ میں جیسے خوشی کے سائے ہیں

ہوا ہے کرب سے سورج کا رنگ پھر پیلا
یہ کس نے نیزوں پہ انساں کے سر سجائے ہیں

ہوا یہ سر پھری کیسی چلی ہے گلشن میں
چراغ دیر و حرم کے بھی جھلملائے ہیں

غموں کی دھوپ نے جھلسا دیا وجود اپنا
لبوں پہ اپنے ہنسی پھر بھی ہم سجائے ہیں

بس اتنا سوچ کے دل اپنا شاد رکھتا ہوں
کہ زندگی کے تناسب میں دھوپ سائے ہیں

یہ کیسا بدلا ہوا ہے مزاج گلشن کا
''گلوں کی آنچ نے تتلی کے پر جلائے ہیں''

خود اپنے جرم کی قیمت ہمیں چکانی ہے
صلیب و دار کو کاندھے پہ ہم اٹھائے ہیں

شکیلؔ کانٹوں پہ الزام ہم نہیں رکھتے
ہمارے سینے پہ پھولوں سے زخم آئے ہیں

●●●

غزل

اپنا بلندیوں پہ سفر دیکھتے رہے
ماں کی دعاؤں کا ہم اثر دیکھتے رہے

کچھ لوگ چل کے منزلِ مقصود پا گئے
کچھ لوگ بیٹھے گردِ سفر دیکھتے رہے

ہر سو تھیں اس کے حسن کی رقصاں تجلیاں
دیکھا کئے جدھر بھی اُدھر دیکھتے رہے

خود کو نہ آئنے کے کبھی رو برو کیا
مجھ میں ہی سارے عیب و ہنر دیکھتے رہے

پھیلی ہوئی ہے شہر میں ایسی کشیدگی
''دل خون ہو رہا تھا مگر دیکھتے رہے''

اس کی عنایتوں پہ ہوئی زندگی نثار
اس کا کرم بہ حد نظر دیکھتے رہے

ہجرت کے وقت دل کا عجب حال تھا شکیلؔ
حسرت بھری نگاہ سے گھر دیکھتے رہے

غزل

عنبر و عود کی خوشبو میں بسا ہو جیسے
زُلف لہرائی یوں ساون کی گھٹا ہو جیسے

ہائے یہ شوخ ادائیں یہ مہکتا چہرہ
شاخِ نازک پہ کوئی پھول کھلا ہو جیسے

صبح کی کرنیں یوں پھولوں سے گلے ملتی ہیں
بعد مدت کے کوئی یار ملا ہو جیسے

اب بھی انصاف مرے شہر میں زندہ ہے مگر
کسی نادار کی بوسیدہ ردا ہو جیسے

اتنا مجبور کہ اک سانس بھی قبضے میں نہیں
اور مغرور ہے انسان خدا ہو جیسے

مجھ کو منصور بنانے پہ تلی ہے دنیا
شامل اس میں بھی مرا حرف انا ہو جیسے

زندگی آج کی روشن ہی سہی پھر بھی شکیلؔ
کسی بچے کے گھروندے کا دیا ہو جیسے

غزل

وہ لفظ لفظ ہزاروں کی بات کرتا ہے
زمیں پہ رہ کے ستاروں کی بات کرتا ہے

میں اس کو پھول کی سوغات دینے آیا تھا
مگر وہ شعلہ شراروں کی بات کرتا ہے

ہے اس کے لب پہ مہکتے گلاب کی خوشبو
خزاں میں بھی وہ بہاروں کی بات کرتا ہے

بھنور میں لا کے مری کشتیٔ حیات کو وہ
بڑے ادب سے کناروں کی بات کرتا ہے

شکیلؔ ذہن میں آتا ہے اس کا حسن و جمال
کوئی جو چاند ستاروں کی بات کرتا ہے

غزل

سونا پڑا ہے عشق کا بازار دیکھئے
آتا نہیں ہے کوئی خریدار دیکھئے

تنقید میری ذات پہ کرنے سے پیشتر
عالی جناب اپنا بھی کردار دیکھئے

مکر و فریب جھوٹ کے فنکار ہیں بہت
کوئی نہیں ہے سچ کا طرفدار دیکھئے

انسانیت کا خون سرِ عام ہو گیا
پھر بھی نہیں ہے کوئی گنہگار دیکھئے

آخر یہ کون لکھے گا رودادِ زندگی
کوڑی میں بک رہے ہیں قلمکار دیکھئے

منصف بھی ظالموں کے طرفدار ہو گئے
بے خوف گھومتے ہیں خطا کار دیکھئے

کس نے یہ میرے شہر کی روداد ہے لکھی
ڈوبا ہوا ہے خون میں اخبار دیکھئے

پرچم بلند کیسے ہو حق بات کا شکیلؔ
ملتا نہیں ہے کوئی علمدار دیکھئے

●●●

غزل

مرتا ہے کوئی اب کہاں کردار کے لئے
لڑتے ہیں لوگ درہم و دینار کے لئے

عزت ہے گر عزیز تو سر کو اُٹھایئے
سر بھی بلند چاہیے دستار کے لئے

عزت کی بات آئی تو سب کچھ لٹا دیا
دنیا کی کیا بساط ہے خوددار کے لئے

مجھ کو کسی طبیب سے کوئی غرض نہیں
دیدار ان کا چاہیے بیمار کے لئے

بے رنگ ہو گئی ہے مرے دل کی شاعری
زُلفیں بکھیر دو مرے اشعار کے لئے

لکھا ہوا نصیب کا ٹلتا نہیں کبھی
کاہے کو سر پٹکتے ہو بیکار کے لئے

غربت نے ہائے کیسا تماشا بنا دیا
رونق بنی ہوئی ہے وہ بازار کے لئے

کتنی لہو لہان ہے انسانیت شکیلؔ
بھائی کا خون کر دیا دیوار کے لئے

●●●

غزل

مایوسی مجھے غم کی کہانی سے نہیں ہے
کچھ خوف مجھے دُشمن جانی سے نہیں ہے

اے وقت کے فرعون مری قوم میں کوئی
مرعوب تری شعلہ بیانی سے نہیں ہے

ظالم کے پرستار کا کردار نبھاؤں
کردار مرا ایسا کہانی سے نہیں ہے

کس طرح سے مہکے مرے خوابوں کی حویلی
نسبت جو مری رات کی رانی سے نہیں ہے

اے تشنہ لبی تجھ سے شکایت بھی کروں کیا
رشتہ ہی مری پیاس کا پانی سے نہیں ہے

نفرت کے شراروں کو کروں سرد تو کیسے
جب آگ کو ڈر کوئی بھی پانی سے نہیں ہے

مفہوم محبت کا ادا کیسے ہو آخر
رشتہ ابھی لفظوں کا معانی سے نہیں ہے

غزل

ضمیر و ظرف کو بیچا نہیں کبھی میں نے
کٹی ہے جیسی بھی کاٹی ہے زندگی میں نے

مجھے بھی جینے کے آداب خوب آتے ہیں
بہت قریب سے دیکھی ہے زندگی میں نے

ہر ایک لفظ سے آتی ہے پیار کی خوشبو
امیرؔ و داغؔ سے سیکھی ہے شاعری میں نے

بس ایک پل میں فضاؤں میں خاک اُڑنے لگی
ہوائے تند کی دیکھی ہے سرکشی میں نے

مرے وجود سے قائم ہے آبروئے چمن
شکیلؔ پھولوں کو بخشی ہے تازگی میں نے

غزل

آپ کے حسن میں اندازِ شرافت ہے بہت
میں سمجھتا ہوں محبت کی عنایت ہے بہت

سچ کا گر ساتھ نبھاؤ گے سنور جاؤ گے
جھوٹ کی راہ پہ چلنے میں ہلاکت ہے بہت

چاند سورج نہ ستاروں کی مجھے کچھ خواہش
زندہ رہنے کے لئے تیری محبت ہے بہت

روز اک زخم نیا دل پہ لگا دیتی ہے
زندگی تجھ کو محبت سے عداوت ہے بہت

نفرتیں عام ہوئی جاتی ہیں دنیا میں شکیلؔ
آج انساں کو محبت کی ضرورت ہے بہت

غزل

خیالوں میں اُبھری ہے تصویر غم کی
رُلائے گی کب تک یہ تاثیر غم کی

اُداسی مری سر پٹکنے لگی ہے
فضاؤں میں پھیلی ہے تنویر غم کی

قدم سے قدم کو ملا کر اے ہمدم
چلو توڑ ڈالیں یہ زنجیر غم کی

اُجالے خوشی کے اسی سے ملیں گے
عطا جس نے کی ہے یہ جاگیر غم کی

چلو آنسوؤں سے اسے بھی مٹا دیں
جو محفوظ دل میں ہے تحریر غم کی

سبھی آفتوں سے بچا میرے مولا
مرے سر پہ لٹکی ہے شمشیر غم کی

شکیلؔ آؤ محنت سے پتھر نچوڑیں
بدل جائے گی خود ہی تقدیر غم کی

غزل

سنہرے حرفوں سے لکھا نصاب ہے اردو
جواب اس کا نہیں لا جواب ہے اردو

ورق ورق میں محبت کا درس ملتا ہے
وفا خلوص کی ایسی کتاب ہے اردو

مہک رہے ہیں فضاؤں میں رنگ رنگ کے پھول
غرض کہ بیلا، چنبیلی، گلاب ہے اردو

کہیں ہیں ذوقؔ کی غزلیں کہیں ہے میرؔ کا فن
غزل کے حسن کا نکھرا شباب ہے اردو

جدھر بھی دیکھئے پھیلا ہوا اُجالا ہے
افق پہ کیسا چمکتا شباب ہے اردو

شکیلؔ حسن نظر میں کوئی جواب نہیں
مری نگاہ میں وہ انتخاب ہے اردو

غزل

جذبۂ شوق بھی پھیکا نہیں ہونے دینا
وادیٔ عشق کو صحرا نہیں ہونے دینا

زندگی جیسے گزرتی ہے گزر جائے گی
اپنی خودداری کو رُسوا نہیں ہونے دینا

زندگی موت کی آغوش میں آجائے گی
زخم دل کا کبھی گہرا نہیں ہونے دینا

اپنے اجداد کی حرمت کا سدا دھیان رہے
اپنے کردار کو مَیلا نہیں ہونے دینا

ضبطِ پیہم ہی محبت کا تقاضا ہے شکیلؔ
دل پہ گزرے جو وہ چرچا نہیں ہونے دینا

غزل

پھول کلیوں کی یہ ادا ٹھہرے
مسکرانا ہی بس دوا ٹھہرے

بجھتے دیپک کو زندگی مل جائے
کاش بپھری ہوئی ہوا ٹھہرے

زندگی آنسوؤں سے روتی ہے
اے خدا پھیلتی وبا ٹھہرے

دور رہنے میں ہی بھلائی ہے
فاصلہ ان دنوں شفا ٹھہرے

درد ہی حد سے جب گزر جائے
درد ہی درد کی دوا ٹھہرے

کوئی بچہ نہ ماں سے بچھڑے کبھی
نفرتوں کا یہ سلسلہ ٹھہرے

جس نے دیکھا ہے اس کا حسن و جمال
اس کی آنکھوں میں اور کیا ٹھہرے

دل غریبوں کا مت دُکھانا شکیلؔ
عرش پر ان کی بد دعا ٹھہرے

●●●

غزل

دل کی حسرت تھی زندگی مجھ کو
کاش چاہت سے دیکھتی مجھ کو

کوہ ساروں میں خار زاروں میں
لے کے پھرتی ہے بے کلی مجھ کو

پہلے ہنستا تھا میں زمانے پر
خود پہ آتی ہے اب ہنسی مجھ کو

کیا عجب ہے کہ میرے گھر ہی میں
لوگ کہتے ہیں اجنبی مجھ کو

تم اندھیروں کی بات کرتے ہو
اور ڈستی ہے روشنی مجھ کو

آج کی بات خیر جانے دو
یاد کر لینا پھر کبھی مجھ کو

میکدے مجھ کو لے آئی شکیلؔ
اس کی چاہت کی تشنگی مجھ کو

غزل

چاندنی، بیلا، چنبیلی کہ سمن آنکھوں میں
مہکا مہکا سا محبت کا چمن آنکھوں میں

ان کے دیدار کی مشتاق ہوئی ہیں جب سے
آگئی ایک محبت کی پھبن آنکھوں میں

اس کی تصویر نگاہوں میں بسا لیتا ہوں
جب بھی محسوس ہوئی مجھ کو جلن آنکھوں میں

کیسے گزری ہے شب ہجر نہ پوچھو ہمدم
ہجر کے درد نے بھر دی ہے تھکن آنکھوں میں

اب کسی اور سے آنکھیں بھی ملائیں کیسے
قید ہے ہجر کی راتوں کی جلن آنکھوں میں

آپ آئے نہ کوئی آپ کا قاصد آیا
آپ کی آس مچلتی ہے سجن آنکھوں میں

زندگی ایک محبت کا ترانہ ہے شکیلؔ
روز ہوتے ہیں محبت کے بھجن آنکھوں میں

غزل

دل میں کیا درد ہے کچھ یہ بھی بتایا ہوتا
حالِ دل تم نے کبھی ہم کو سنایا ہوتا

وقت کی دھوپ کا کچھ خوف نہ ہوتا ہرگز
کاش سر پر مرے ماں باپ کا سایہ ہوتا

اُن کے آنے کی خبر ہم کو اگر ہو جاتی
بام و در ہم نے محبت سے سجایا ہوتا

موم کی طرح پگھل جاتے یہ پتھر کے صنم
زخم دل ہم نے جو دنیا کو دکھایا ہوتا

بستیاں جلنے کا تب درد تجھے ہوتا کچھ
اپنے ہاتھوں سے کوئی گھر جو بنایا ہوتا

پیڑ اک ایسا لگانے کی للک ہے دل میں
دُور تک جس میں محبت ہی کا سایا ہوتا

غزل

دل کے زخموں کا اشتہار نہ کر
دامن ضبط تار تار نہ کر

دے کے الزام بے وفائی کا
اے صنم مجھ کو شرمسار نہ کر

چھیڑ کر بزمِ غم میں سازِ طرب
اُنگلیاں اپنی یوں فگار نہ کر

گزری باتوں کو بھول جا ہمدم
دل کے زخموں کو اب شمار نہ کر

کر کے وعدہ وفا نہیں کرتا
اس کے وعدوں پر اعتبار نہ کر

اشک آنکھوں سے یوں گرا کے شکیلؔ
دامن عشق داغدار نہ کر

غزل

نغمے نسیمِ صبح نے ایسے سنا دئے
بلبل غزل سرا ہوئی گل مسکرا دئے

وہ ظلم کی حدود سے آگے نکل گئے
ہم نے رفاقتوں کے سمندر بہا دئے

اہل نظر بتائیں کہ اس شہر امن میں
کس نے چراغ دیر و حرم کے بجھا دئے

اُمید کے چراغ سرِ شام بجھ گئے
نفرت کی آندھیوں نے ستم ایسے ڈھا دئے

جن کی ضیا سے ہو گیا پُر نور گلستاں
تاریکیوں میں ہم نے دیے وہ جلا دئے

بجھتے ہوئے چراغ کی لَو تیز ہو گئی
''حد سے بڑھا ملال تو ہم مسکرا دئے''

نرگس گلاب بیلا سمن ہو گئے خجل
اس نے جو اپنے چہرے سے گیسو ہٹا دئے

یہ بات آج تک نہ سمجھ پائے ہم شکیلؔ
کیوں راہبر نے نقشِ کفِ پا مٹا دئے

●●●

غزل

آندھیوں میں بھی محبت کا دیا جلتا ہے
پیڑ نفرت کا مرے یار کہاں پھلتا ہے

وقت کی قدر نہیں کرتا ہے جو بھی انسان
بیتے لمحات پہ وہ ہاتھ سدا ملتا ہے

روشنی ہو تو دکھاتے ہیں سبھی ہمدردی
میرا سایہ بھی تبھی ساتھ مرے چلتا ہے

ڈھلتے سورج کی تمازت کی طرح ہوں اب تو
ہائے اب زور جوانی پہ کہاں چلتا ہے

زندگی اپنی نہا جاتی ہے خوشبو میں شکیلؔ
شاخِ اُمید پہ جب کوئی ثمر پھلتا ہے

غزل

اشک سے آستیں بھگوئے گا
میرے مرنے پہ کون روئے گا

تو نے چہرہ تو دھو لیا لیکن
کیسے دامن کے داغ دھوئے گا

اپنے اعمال پر نظر تو رکھ
ویسا کاٹے گا جیسا بوئے گا

وقت کی قدر جو نہیں کرتا
وہ بشر ہاتھ مل کے روئے گا

بھیگی پلکیں سوال کرتیں ہیں
کون پانی کے گھر میں سوئے گا

جاگتے رہنا ہے بھلائی شکیلؔ
جو بھی سوئے گا چین کھوئے گا

غزل

مٹی کو سونا کرتے ہیں دست ہنر سے ہم
لکھتے ہیں شعر اپنے ہی خونِ جگر سے ہم

سینہ فگار ہو کہ قبا تار تار ہو
ڈرتے نہیں ہیں کوئی بھی تیرِ نظر سے ہم

راہوں کے حادثات سے محفوظ ہم رہیں
لے کر خدا کا نام اگر نکلیں گھر سے ہم

یا رب ہمیں سکون کے لمحے نصیب ہوں
تنگ آگئے ہیں روز کے زیر و زبر سے ہم

یادوں کا کارواں بھی رہا دل کے ساتھ ساتھ
گزرے ہیں جب کبھی بھی تمہارے نگر سے ہم

مجھ کو دیارِ یار کی کچھ خاک چاہئے
آسودہ ہو نہ پائیں گے لعل و گہر سے ہم

وہ جو ہمارے درد سے واقف نہیں شکیلؔ
اُمید باندھ بیٹھے اسی چارہ گر سے ہم

غزل

جشن گھر گھر میں مناؤ کہ دوالی آئی
جامِ اُلفت سے نہاؤ کہ دوالی آئی

امن سے پیار سے پیغام یہی ملتا ہے
دیپ مل جل کے جلاؤ کہ دوالی آئی

کوئی بھوکا نہ کوئی پیاسا رہے بستی میں
جام بھر بھر کے پلاؤ کہ دوالی آئی

سارے نفرت کے چراغوں کو بجھا کر ہمدم
بام و در گھر کے سجاؤ کہ دوالی آئی

زندگی نور سے پر نور ہوئی ہے کیا کیا
گیت اُلفت کے سناؤ کہ دوالی آئی

دور ہو جائیں زمانے سے اندھیرے غم کے
دیپ خوشیوں کے جلاؤ کہ دوالی آئی

تشنگی دُور مرے دل کی بھی ہو جائے گی
جام چھلکاؤ پلاؤ کہ دوالی آئی

غزل

اچھی صحبت میں برے لوگ بدل جاتے ہیں
سچے سکوں میں کئی جھوٹے بھی چل جاتے ہیں

بعد مدت کے جو پردیش سے آیا گھر کو
دیکھ کر باپ کو بچے بھی مچل جاتے ہیں

دل میں اک دیپ محبت کا جلا کر دیکھو
گرمیٔ عشق سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

اُس کی اک چشم عنایت بھی جو ہو جاتی ہے
لڑکھڑاتے ہوئے بھی لوگ سنبھل جاتے ہیں

دوستی اور محبت بھی ہوئی بے مقصد
اب تو موسم کی طرح لوگ بدل جاتے ہیں

اُس کی یادوں کے دئے دل میں جو جلتے ہیں شکیلؔ
دل کے جذبات محبت میں پگھل جاتے ہیں

غزل

اُن کی نظر کے جب سے طلبگار ہو گئے
اہل نظر کے سامنے ہم خوار ہو گئے

شانے پہ جن کے سر بھی نہیں دیکھئے ذرا
وہ لوگ کیسے صاحب دستار ہو گئے

پل پل میں اپنا قول بدلتے ہیں یہ جناب
رہبر بھی جیسے کوئی اداکار ہو گئے

اس کا شباب جیسے چھلکتی ہوئی شراب
توبہ! جناب شیخ بھی میخوار ہو گئے

رہتے تھے میرے ساتھ جو سائے کی طرح روز
آیا جو وقت وہ پس دیوار گئے

مکر و فریب جھوٹ میں ماہر تھے جو شکیلؔ
وہ آج دیکھو قوم کے سالار ہوگئے

غزل

جب فضاؤں میں محبت کا اُجالا ہوگا
دُھند چھٹ جائے گی موسم بھی نرالا ہوگا

سہما سہما سا زمینوں پہ اُجالا ہوگا
چاند کے گرد اگر ابر کا ہالہ ہوگا

مطمئن خود سے وہ کردار کا اعلیٰ ہوگا
اس کا انداز زمانے سے نرالا ہوگا

بگڑے حالات ڈرائیں گے اسے کیا آخر
گردشِ وقت کی جو گود کا پالا ہوگا

اس کے حصہ میں کئی لعل و گہر ہوں گے شکیلؔ
جس نے محنت سے سمندر کو کھنگالا ہوگا

غزل

خیالوں کی وادی کو مہکا رہے ہیں
کئی دن سے اکثر وہ یاد آ رہے ہیں

چراغِ محبت کی لَو کو بڑھا دیں
سنا آج محفل میں وہ آ رہے ہیں

ذرا بد حواسی کا عالم تو دیکھو
کہاں ان کو جانا کہاں جا رہے ہیں

محبت کی یہ بھی علامت ہے شاید
مرا نام لیتے وہ شرما رہے ہیں

حسینوں کی فطرت سے واقف ہیں ہمدم
فریب محبت مگر کھا رہے ہیں

شکیلؔ اُن کے قدموں کو چومے گی منزل
صداقت کا پرچم جو لہرا رہے ہیں

غزل

کس قدر خود میں پارسا ہوگا
جس کا کردار آئنہ ہوگا

درد جب ضبط سے سوا ہوگا
درد ہی درد کی دوا ہوگا

جھوٹ کا تب غرور ٹوٹے گا
سچ سے جب اُس کا سامنا ہوگا

عصمتیں لٹ رہی ہیں پھولوں کی
اے خدا اس چمن کا کیا ہوگا

سر نہیں دل کو جب جھکاؤ گے
حق محبت کا تب ادا ہوگا

بدلی تہذیب ہے خدا جانے
آنے والے دنوں میں کیا ہوگا

جھوما ہوگا خوشی سے بوڑھا شجر
پھول جب شاخ پر کھلا ہوگا

عزمِ دل کو جوان رکھئے شکیلؔ
خارزاروں میں راستا ہوگا

●●●

غزل

راستہ دیکھ کے وہ چلتے ہیں
ٹھوکریں کھا کے جو سنبھلتے ہیں

جو بھی ارمان دل میں پلتے ہیں
اشک بن کر وہی نکلتے ہیں

وہ سہارا کسی کو کیا دیں گے
خود جو بیساکھیوں سے چلتے ہیں

اُن کو منزل کی خاک تک نہ ملی
روز جو راستہ بدلتے ہیں

وقت کی قدر جو نہیں کرتے
گزرے لمحوں پہ ہاتھ ملتے ہیں

کوئی کانٹوں کی سیج پر سوئے
کوئی پیروں سے گل مسلتے ہیں

اس کی یادیں ہیں دل میں ایسے شکیلؔ
جیسے دل میں چراغ جلتے ہیں

غزل

دلِ شکستہ کو حاصل ابھی قرار نہیں
چلے بھی آؤ کہ اب تابِ انتظار نہیں

یہ اور بات کہ آنکھیں بھی اشکبار نہیں
دلوں میں زخم ہیں اتنے کہ کچھ شمار نہیں

میں چھیڑوں سازِ طرب کیسے ان کی محفل میں
''ابھی حیات کا ماحول خوش گوار نہیں''

ہزار بار مرا امتحان لیتے ہو
مری وفاؤں پہ کیا تم کو اعتبار نہیں

میں اپنے اشکوں سے ہر روز دھوتا رہتا ہوں
مری وفاؤں کا دامن یہ داغ دار نہیں

میں اُس کی ذات سے مایوس ہو نہیں سکتا
مری حیات میں آئے گی کیا بہار نہیں

شکیلؔ جس سے بھی ملتا ہے دل سے ملتا ہے
دل و دماغ میں رکھتا کوئی غبار نہیں

غزل

تری ہر ادا دل سے پیاری لگے
محبت کی مہکی یہ کیاری لگے

نہ کوئی وفا کا پجاری لگے
محبت بھی اب کاروباری لگے

محبت کا دیپک جلا لیجئے
کبھی رات جب دل کو بھاری لگے

تری دوستی کے مقابل صنم
ہمیں دُشمنی دل سے پیاری لگے

محبت کا شاید تقاضا ہے یہ
تری ہر ادا جاں سے پیاری لگے

تری بے رُخی میرے دل پر صنم
کوئی چوٹ جیسے کراری لگے

تری ہر ادا دل نشیں ہے مگر
نظر تیری ترچھی کٹاری لگے

غزل

کبھی حال پوچھے نہ کوئی کسی کا
عدو بن گیا آدمی آدمی کا

کہیں دھوپ رقصاں کہیں سائباں ہے
عجب فلسفہ ہے یہی زندگی کا

ضرورت سے بڑھ کر نہ سامان باندھو
بہت مختصر ہے سفر زندگی کا

سکونِ جگر کا پتہ پوچھتا ہوں
کسی اجنبی سے کسی اجنبی کا

سمندر بہت خود پہ اِترا رہا ہے
بھرم رکھنا مولا مری تشنگی کا

اندھیروں سے کہہ دو نہ خوشیاں منائیں
نیا دَور آئے گا پھر روشنی کا

مری بدحواسی کا عالم نہ پوچھو
پتا پوچھتا ہوں اُسی سے اُسی کا

یہ دَورِ ترقی شکیلؔ آج دیکھو
لہو پی رہا آدمی آدمی کا

●●●

غزل

اندھیروں کو کھلتا ہے دیپک کا جلنا
ہوا ہے مخالف چراغو سنبھلنا

مری خواہشوں کا سفر مختصر ہے
مرے دل کے ارماں بہت مت مچلنا

خودی زندگی کو سمجھ جایئے گا
کسی شام دیکھیں تو سورج کا ڈھلنا

گلابوں کی کھیتی تو کرتا ہوں لیکن
مقدر میں لکھا ہے کانٹوں پہ چلنا

ہماری سمجھ سے پرے ہو رہا ہے
ہر اک بات پر تیرا پہلو بدلنا

کسی حادثے کی یہ دعوت ہو جیسے
تمہارا یہ اِترا کے بل کھا کے چلنا

شکیلؔ اب اندھیروں سے کیا ہو شکایت
ہمیں آگیا ہے چراغوں سا جلنا

غزل

اُتر بھی جائے گا یہ نشۂ سرور ترا
تجھے مٹائے گا اک روز یہ غرور ترا

بس ایک بار ہوئیں تھیں یہ آنکھیں چار یونہی
یہی قصور ہے میرا یہی قصور ترا

میں ذرّے ذرّے کو دل سے لگائے پھرتا ہوں
کہ ذرّے ذرّے میں دِکھتا ہے مجھ کو نور ترا

غرور و ناز سے چلتا ہے سر اٹھا کے بہت
جھکے گا دیکھنا اک دن سرِ غرور ترا

شعورِ عشق کے سانچے میں خود کو ڈھال شکیلؔ
بنے گا باعث عزت یہی شعور ترا

غزل

منزل سے اپنی بھٹکی کبھی زندگی نہیں
سَو جام پی چکا ہوں مگر بے خودی نہیں

جانِ بہار روٹھ کے جب سے چلا گیا
پھولوں کے رنگ روپ میں بھی دلکشی نہیں

اللہ جانے کس کی نظر لگ گئی اسے
جلتا تو ہے چراغ مگر روشنی نہیں

وہ جھوٹ بولتا ہے محبت کے نام پر
تائید اس کی بات پہ ہرگز کبھی نہیں

کیسی بہار آئی ہے گلشن میں اے شکیلؔ
مہکے ہوئے گلوں میں بھی کچھ تازگی نہیں

غزل

بھولی بسری سی کوئی بات کہاں ہوتی ہے
''ساتھ رہتے ہیں ملاقات کہاں ہوتی ہے''

تشنگی اپنے مقدر میں لکھی ہے شاید
عشق میں اب کبھی برسات کہاں ہوتی ہے

اب خیالوں میں محبت کے دیئے جلتے ہیں
مہکی مہکی سی حسیں رات کہاں ہوتی ہے

اُن کی چاہت میں محبت میں چراغاں کرنا
پہلے جیسی وہ کوئی بات کہاں ہوتی ہے

بس سمندر کو ہی سیراب کیا جاتا ہے
سوکھے تالابوں میں برسات کہاں ہوتی ہے

اب شکیلؔ آؤ محبت کے ترانے گائیں
اتنی پُر کیف حسیں رات کہاں ہوتی ہے

غزل

لب کشائی میں صنم اپنی ہی رُسوائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جائی ہے

کوئی قاتل تو کوئی شہر میں بلوائی ہے
زندگی تو یہ کہاں مجھ کو اٹھا لائی ہے

لوگ اب زخم پہ تیزاب چھڑک دیتے ہے
یہ مرے عہد کا اندازِ مسیحائی ہے

ڈوبنے والے کا ہمدرد نہیں ہے کوئی
ایک عالم لب دریا پہ تماشائی ہے

ہے کوئی شہر میں جو اپنا طرف دار بنے
شمع کی لَو سے یہ خاموش صدا آئی ہے

وقت کیا مجھ پہ پڑا شہر نے سب جان لیا
کون ہمدرد مرا، کون مرا بھائی ہے

زندگی کے بھی یہ انداز نرالے ہیں شکیلؔ
ہیں کہیں سوز کے نغمے، کہیں شہنائی ہے

غزل

جہاں کی ہر خطا کا میرے سر الزام آتا ہے
غریبوں کے کہاں حصے میں کچھ انعام آتا ہے

دریچوں سے محبت کی شعائیں پھوٹ پڑتی ہیں
کسی محفل میں جب وہ پیکرِ گلفام آتا ہے

فریب و مکر سے اپنے جو سب کو رام کرتے ہیں
انہیں لوگوں کے حصے میں چھلکتا جام آتا ہے

ہر اک رشتہ یہاں بس نام تک محدود ہے ہمدم
مصیبت میں نہیں کوئی کسی کے کام آتا ہے

بزرگوں سے ہمارے جو ملا ہم کو وراثت میں
ہمارا یہ اثاثہ ہی ہمارے کام آتا ہے

گیا ہے روٹھ کر جب سے وہ میرا ہم نشیں مجھ سے
خبر کوئی نہیں اس کی نہ کچھ پیغام آتا ہے

غزل

ہمارے دیش کی سب آن بان باقی ہے
یہ پیاری دھرتی پہ جب تک کسان باقی ہے

وہ ڈوبا اس طرح حالات کے سمندر میں
کسان مر گیا لیکن لگان باقی ہے

زمین چیر کے سونا نکالنا ہے مجھے
ابھی مٹھور میں تھوڑا سا دھان باقی ہے

کبھی ہے ہولی دوالی کبھی ہے عید سعید
ہمارے دیش کی یہ پیاری شان باقی ہے

جلائیں لوگوں نے نفرت سے بستیاں لیکن
ہمارے پیار کا ہندوستان باقی ہے

پروں میں قوتِ پرواز تو نہیں لیکن
ہمارے منھ میں ابھی بھی زبان باقی ہے

میں جھکنے دوں گا نہیں پرچم محبت کو
شکیلؔ جسم میں جب تک کہ جان باقی ہے

غزل

کانٹا غمِ حیات کا دل سے نکال دے
میں پستیوں میں غرق ہوں مجھ کو اُچھال دے

یارب غمِ حیات سے گھبرا چکا ہے دل
خوشیاں مرے نصیب کی جھولی میں ڈال دے

جس کا جواب لا نہ سکوں ربِّ ذو الجلال
مجھ کو نہ امتحان میں ایسے سوال دے

جو قہقہے لگاتے ہیں دُنیا کے درد پر
اُن کے دلوں کو تھوڑا سا حزن و ملال دے

توفیق بخش دے اے خدا تو شکیلؔ کو
کچھ ایسا کر کے جائے کہ دُنیا مثال دے

●●●

غزل

عشق کا گیت گا کے دیکھ لیا
اُن کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

اس پہ کوئی اثر نہیں ہوتا
درد اپنا سنا کے دیکھ لیا

کوئی خوشبو نہ آئی کاغذ سے
پھول پتی بنا کے دیکھ لیا

دُور ویرانیاں نہ دل کی ہوئیں
قہقہہ بھی لگا کے دیکھ لیا

گھر بنانا بھی کتنا مشکل ہے
اک گھروندا بنا کے دیکھ لیا

کوئی پیغام امن آیا نہیں
بس کبوتر اُڑا کے دیکھ لیا

آگ دل کی شکیلؔ بجھ نہ سکی
آنسوؤں میں نہا کے دیکھ لیا

غزل

سلگتی ریت کے اندر نمی تلاش کرو
بجھے چراغوں میں بھی روشنی تلاش کرو

ہر ایک بات میں اس کا قصور مت ڈھونڈو
کچھ اپنی ذات کے اندر کمی تلاش کرو

غموں کو اپنا مقدر سمجھ کے مت بیٹھو
کرو بھی کوششیں جاؤ خوشی تلاش کرو

تلاشِ رزق میں ہر پل بھٹکتے رہتے ہو
جو رزق دیتا ہے اس کو کبھی تلاش کرو

سبھی اداؤں میں پیغام اس کا ملتا ہے
ہوائے تند میں بھی نغمگی تلاش کرو

اندھیری رات کی وحشت سے خوف مت کھاؤ
سیاہ شب میں کوئی روشنی تلاش کرو

مہک اٹھیں گے محبت کے پھول یادوں میں
یہ سوکھے پھولوں میں بھی تازگی تلاش کرو

بنام آدمی یوں لوگ تو بہت ہیں شکیلؔ
جو مل سکے تو کوئی آدمی تلاش کرو

●●●

غزل

بزمِ ہستی کو سجاؤں گا چلا جاؤں گا
گیت اُلفت کے سناؤں گا چلا جاؤں گا

تشنگی دُور کروں گا میں سبھی پیاسوں کی
جام بھر بھر کے پلاؤں گا چلا جاؤں گا

اپنی ہستی یہ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
اپنی ہستی کو مٹاؤں گا چلا جاؤں گا

خاک ہی خاک محبت کا لبادہ اپنا
خاک میں خود کو ملاؤں گا چلا جاؤں گا

زندگی مجھ کو ٹھہر جانے دے لمحہ بھر کو
بار غم دل پہ اٹھاؤں گا چلا جاؤں گا

خواہشیں روز یہاں قتل مری ہوتی ہیں
اپنے ہی خوں میں نہاؤں گا چلا جاؤں گا

قرض دنیا کے چکانے کے لئے آیا ہوں
قرض دنیا کے چکاؤں گا چلا جاؤں گا

آہ و زاری نہ شکایت کوئی لب پر ہوگی
زخم کھاؤں گا چھپاؤں گا چلا جاؤں گا

خواہش زیست جہاں قید مری ہوں گی شکیلؔ
گھر میں سپنوں کے بناؤں گا چلا جاؤں گا

●●●

غزل

بڑھ کر ہماری وقت نے تقدیر چوم لی
ہم نے جو اُس کی پیار سے تصویر چوم لی

اُس کو بھلا نہ پائے گی تاریخ دوستو!
جس نے وطن کے واسطے زنجیر چوم لی

ماں کے قدم کو چوما تو احساس یہ ہوا
ہم نے کتابِ زیست کی تفسیر چوم لی

خونِ جگر جلانے سے روشن ہوئے تھے جو
آنکھوں سے اُن چراغوں کی تنویر چوم لی

جھکنے دیا نہ پرچم انسانیت کبھی
خود بڑھ کے ہم نے جنگ میں شمشیر چوم لی

لفظوں میں اس کا عکس نظر آتا تھا شکیلؔ
فرطِ خوشی میں ہم نے یہ تحریر چوم لی

غزل

یہ التجا ہے آپ سے اک عاجزی کے ساتھ
''کیجے مجھے قبول مری ہر کمی کے ساتھ''

گھر سے قدم نکالو تو زندہ دلی کے ساتھ
قدموں کو لوگ چومیں گے فرطِ خوشی کے ساتھ

گلشن کی تیز تند ہواؤں کو دیکھ کر
افسردہ گل بھی ہونے لگے ہیں کلی کے ساتھ

ارمان دل کے سارے لہو میں نہا گئے
وہ حادثہ ہوا ہے مری زندگی کے ساتھ

خنجر چھپا کے رکھتا ہے وہ آستین میں
باتیں جو کر رہا ہے بڑی سادگی کے ساتھ

بامِ عروج پر ہے اندھیروں کی سرکشی
کیا کھیل ہو رہا ہے یہاں روشنی کے ساتھ

دو دن کی زندگی کے شب و روز کی ہو خیر
اُمید باندھ بیٹھے ہیں اک اجنبی کے ساتھ

لفظوں سے کھیلنے کا ہنر پاس گر نہیں
انصاف کر نہ پاؤگے تم شاعری کے ساتھ

ایسا لگا کہ پھول کی خوشبو بکھر گئی
وہ لب کشا ہوئے ہیں عجب نغمگی کے ساتھ

انسان ہوں جناب فرشتہ نہیں ہوں میں
کیجے مجھے قبول مری ہر کمی کے ساتھ

خوشیوں کا اک چراغ جلا ہے مگر شکیلؔ
غم کے اندھیرے سائے بھی ہیں روشنی کے ساتھ

●●●

غزل

زندہ ہو زندگی کی بات کرو
غم کو چھوڑو خوشی کی بات کرو

ہے بھروسہ جو اُس کی رحمت پر
نہ کبھی بے بسی کی بات کرو

زندگی خود ہی مسکرائے گی
پھول شبنم کلی کی بات کرو

منزلوں پر نظر رکھو اپنی
نہ کبھی گمرہی کی بات کرو

چڑھتے دریا پہ بات خوب ہوئی
کچھ تو تشنہ لبی کی بات کرو

اب اندھیروں کا ذکر چھوڑو شکیلؔ
اور کچھ روشنی کی بات کرو

غزل

حسن نظر سے آپ یہ تحریر دیکھئے
بکھری ہوئی ہے پیار کی تنویر دیکھئے

علم و ادب کی بولتی تصویر دیکھئے
غالبؔ ہے کوئی ذوقؔ کوئی میرؔ دیکھئے

پڑھتا ہے جو بھی ہوتا وہی درد آشنا
شعروں میں میرے کیسی ہے تاثیر دیکھئے

دو بھی قدم نہ ساتھ چلے تھے کہ وقت نے
پیروں میں میرے ڈال دی زنجیر دیکھئے

میں مطمئن ہوں ہاتھ میں میرے قلم تو ہے
کچھ غم نہیں جو چھن گئی جاگیر دیکھئے

بیدار ہو کے نیند سے تیشہ اٹھایئے
بدلے گی کیسے خواب کی تعبیر دیکھئے

عظمت بڑھائی جس نے بھی اجداد کی شکیلؔ
اس کو جہاں میں ملتی ہے توقیر دیکھئے

غزل

جھوٹی باتوں سے انحراف کرو
آئینہ چھوڑو، چہرہ صاف کرو

ہم بھی رکھتے ہیں گفتگو کا ہنر
تم زیادہ نہ شین قاف کرو

سچ کو بخشو بھی کچھ توانائی
جھوٹے لوگوں کا انکشاف کرو

تم یہ جملوں کو کیوں گھماتے ہو
جو بھی کرنی ہے بات صاف کرو

مجھ سے روشن ہیں عشق کی شمعیں
اے ہواؤ! مرا طواف کرو

راہ حق سے میں ہٹ نہیں سکتا
جو بھی چاہو مرے خلاف کرو

ہم جلائیں گے دیپ اُلفت کے
تم ہوا کو مرے خلاف کرو

جب بشر ہو تو ہے کمی تم میں
اے شکیلؔ اس کا اعتراف کرو

●●●

غزل

لگتا نہیں ہے دل مرا اپنے چمن سے دور
فکر معاش لائی ہے مجھ کو وطن سے دور

اے کاش مجھ کو ہوتی بھی قربت تری نصیب
''کیا زندگی کا لطف تری انجمن سے دور''

اکثر ہی گھیر لیتی ہیں دل کو اداسیاں
رکھتا ہوں لاکھ اپنے کو رنج و محن سے دور

تم کیا گئے کہ لطف نظارا نہیں رہا
رہتی ہے اب تو روح بھی جیسے بدن سے دور

اکیسویں صدی میں یہ منظر بھی دیکھیے
مرنے کے بعد لاشے رہے ہیں کفن سے دور

ان اپنے سورماؤں پہ آنسو بہایئے
جو دفن کر دئے گئے خاکِ وطن سے دور

حق بولنے کی مجھ میں جو عادت شکیلؔ ہے
کب تک میں خود کو رکھوں گا دارو رسن سے دور

غزل

اُس نے وفا خلوص کی تحریر بیچ دی
مہکے ہوئے گلاب کی تاثیر بیچ دی

سورج کی حکمرانوں نے تنویر بیچ دی
لفظِ وفا تو رہ گیا تاثیر بیچ دی

کیسے لڑوں گا جنگ بھلا دشمنوں سے میں
سالارِ قوم نے مری شمشیر بیچ دی

کیسا اداس بیٹھا ہے وہ باپ دیکھئے
بچوں نے جس کے سامنے جاگیر بیچ دی

حالات نے کیا اسے مجبور یوں شکیلؔ
مفلس نے اپنی عزت و توقیر بیچ دی

غزل

جب محبت ہماری عام ہوئی
اک غزل اور اُن کے نام ہوئی

دل کی دھڑکن بھی اس کے نام ہوئی
زندگی یوں ہی نا تمام ہوئی

جب ہواؤں کا زور بڑھنے لگا
شمع جلتی بھی بے لگام ہوئی

زندگی کو پسینہ آنے لگا
موت جب اُس سے ہم کلام ہوئی

دن بھی گزرا خدا خدا کرکے
کچھ نہ پوچھو کہ کیسے شام ہوئی

میرے قدموں میں آئی تب منزل
نیند راتوں کی جب حرام ہوئی

جب قضا نے شکیلؔ گھیر لیا
زندگی موت کی غلام ہوئی

غزل

آنکھوں میں اس کی پیار کے جذبات دیکھ کر
دل رو پڑا تھا یار یہ کل رات دیکھ کر

بیٹی پہ کیا گزرتی ہے اس کا نہ پوچھئے
سہما ہوا ہے باپ بھی بارات دیکھ کر

جب سے ہوئی ہے میری اندھیروں سے دوستی
ڈرتا نہیں ہے دل مرا اب رات دیکھ کر

سورج کے آگے دیپ کی کوئی نہیں بساط
منھ کو جناب کھولئے اوقات دیکھ کر

پھولوں کے چہرے کھل اُٹھے ٹھنڈی پھوار سے
کچے مکان روئے ہیں برسات دیکھ کر

بکھری ہوئی ہواؤں پہ کیا تبصرہ کروں
مجھ کو قلم اُٹھانا ہے حالات دیکھ کر

خوددار بھوکا مر گیا ٹھنڈک کی رات میں
اس نے بڑھایا ہاتھ نہ خیرات دیکھ کر

سارے جواب بھولا میں وحشت میں اے شکیلؔ
آنکھوں میں اس کے بپھرے سوالات دیکھ کر

●●●

غزل

جھونکے صرصر کے جو چلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے
راستے آگ اُگلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے

گلستاں پیار کا بدنام نہ ہو جائے کہیں
پیڑ نفرت کے جو پھلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے

رازِ دل فاش نہ ہو جائے کہیں غیروں پر
اشک آنکھوں سے نکلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے

میری آنکھوں میں بسے ہیں وہ سلگتے منظر
پیار کے دیپ بھی جلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے

ہم سمجھ پائے نہ اب تک یہ نظامِ گلشن
پھول کانٹوں میں نکلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے

بے وفا شہر میں بد نام نہ ہو جائیں شکیلؔ
دل کے ارماں جو مچلتے ہیں تو ڈر لگتا ہے

غزل

قدم قدم پہ محبت کے دیپ جلتے ہیں
دیارِ یار سے جب ہم کبھی گزرتے ہیں

شباب و حسن کا عالم عجیب ہوتا ہے
وہ رکھ کے سامنے جب آئنہ سنورتے ہیں

یہ اور بات کہ روشن نہیں ہے گھر میرا
تمہاری یاد کے لیکن چراغ جلتے ہیں

وہ جس نے درد کی سوغات مجھ کو بخشی ہے
اُسی کے ہجر میں دن رات آہیں بھرتے ہیں

چراغِ عزم ہوں میں حوصلوں سے روشن ہوں
دیے وہ اور ہیں جو آندھیوں سے ڈرتے ہیں

رہِ وفا میں جو اپنا وجود کھو دے شکیلؔ
افق پہ بن کے ستارے وہی چمکتے ہیں

غزل

اُلجھن تپش ہراس کی سوغات دے گیا
جو حل نہ ہو سکیں وہ سوالات دے گیا

وہ جاکے اپنے چاند ستاروں میں مست ہے
مجھ کو اندھیری رات کی بارات دے گیا

سچی دلیلیں سب مری بیکار ہوگئیں
وہ جھوٹ بات کرکے مجھے مات دے گیا

رنج و ملال درد کی کھیتی ہری رہے
ایسی وہ میری آنکھوں کو برسات دے گیا

پڑتے نہیں ہیں پاؤں مرے اب زمین پر
وہ کتنے اونچے مجھ کو خیالات دے گیا

آکر بہار بن کے مری زندگی میں وہ
مہکے ہوئے گلاب کے باغات دے گیا

اشکوں سے لکھا کس طرح پڑھتے بھی ہم شکیلؔ
وہ مجھ کو کورے کورے ہی صفحات دے گیا

غزل

رہ گزر مہکے بام و در مہکے
وہ جو آجائیں سارا گھر مہکے

وہ خیالوں میں جب بھی آتے ہیں
میری سانسوں کا ہر سفر مہکے

جس جگہ اُن کے پڑگئے ہیں قدم
وہ گلی مہکے وہ نگر مہکے

ان کے کوچے سے ہوکے آئے جو
ان پرندوں کے بال و پر مہکے

اس کا چہرہ گلاب ہو جیسے
اس کو دیکھوں تو یہ نظر مہکے

ان سے نظریں ملی تھیں شام ڈھلے
ہم خیالوں میں رات بھر مہکے

پھول کا اس کا پیرہن ہے شکیلؔ
وہ جدھر جائے رہ گزر مہکے

غزل

وہ کرم بارِ دگر ہو یہ ضروری تو نہیں
پھر اِدھر اُن کا گزر ہو یہ ضروری تو نہیں

خوبرو تم سا بشر ہو یہ ضروری تو نہیں
ہر کوئی رشکِ قمر ہو یہ ضروری تو نہیں

ان کی ہستی مری نظروں کا ہے مرکز لیکن
ان کی بھی مجھ پہ نظر ہو یہ ضروری تو نہیں

دل کے ایوانوں میں تصویریں لگی ہیں ان کی
ان کا دیدار مگر ہو یہ ضروری تو نہیں

شام کو آنے کا وعدہ تو کیا ہے اس نے
ہر شب غم کی سحر ہو یہ ضروری تو نہیں

اے شکیلؔ! آؤ محبت کے ترانے گائیں
پھر حسیں ایسی سحر ہو یہ ضروری تو نہیں

غزل

سو گئے افضل و برتر تو یہ کمتر جاگے
چاند کیا ڈوبا کہ جگنو کے مقدر جاگے

نیند اُڑ جائے گی اک پل میں شہنشاہوں کی
میری بستی کے اگر مست قلندر جاگے

اس کی یادو کی مہک دل میں بسی ہے ایسی
سو بھی جاؤں میں اگر رات میں بستر جاگے

ایک خوشبو سی مہک اٹھی ہے انگنائی میں
ان کے جو آئے قدم گھر کے مقدر جا گے

بگڑے ماحول کی تصویر بدل دیں گے شکیلؔ
خوابِ غفلت سے جو بستی کے گداگر جا گے

غزل

لبوں پر میرؔ کی غزلیں کبھی میراؔ کی بانی ہے
مری آنکھوں میں دیکھو پیار سے گنگا کا پانی ہے

عروسِ حسن کے جلوے بسے ہیں گلشن دل میں
یہ میرا دل نہیں ہے عشق کی یہ راج دھانی ہے

کوئی خوشبو زمانے کی نہیں اب راس آئے گی
مرے آنگن میں مہکی پیار کی اک رات رانی ہے

ہوئے جب چاند کے ٹکڑے تو دیکھا اہل عالم نے
زمیں پر ہیں قدم اُن کے فلک پر حکمرانی ہے

مرے اشعار سن کر کہہ رہے تھے اہل دانش یہ
''غزل میں اب تخیل کم زیادہ حق بیانی ہے''

غزل

دوستوں سے دُشمنی اچھی نہیں
آپ کی یہ بے رخی اچھی نہیں

گھر جلانے سے جو حاصل ہو جناب
وہ چمک وہ روشنی اچھی نہ نہیں

اُنگلیاں اٹھنے لگیں کردار پر
اس قدر بے پردگی اچھی نہیں

آپ کی اس عاشق دلگیر سے
روٹھ کر یہ رخصتی اچھی نہیں

قوت بازو سے بھی کچھ کام لو
بے وجہ بے چارگی اچھی نہیں

خوار ہو جاؤ گے لوگوں میں شکیلؔ
پھول کی یہ دوستی اچھی نہیں

غزل

قدم قدم پہ نئے انقلاب لکھتا رہا
میں اپنے خون سے ہجرت کے باب لکھتا رہا

اُلجھ گیا ہے وہی بن کے خار دامن سے
تمام عمر جسے میں گلاب لکھتا رہا

سمٹ کے آگئی کاغذ پہ زندگی اپنی
میں لمحے لمحے کا سارا حساب لکھتا رہا

ورق ورق میں ملے گی خلوص کی خوشبو
میں آنسوؤں سے انوکھی کتاب لکھتا رہا

قلم نہ لا سکا اپنے حصار میں اس کو
کبھی گلاب کبھی ماہتاب لکھتا رہا

غموں کی بھیڑ میں دم اپنا گھٹ رہا تھا مگر
خوشی کے بحر کو پھر بھی حباب لکھتا رہا

عجیب شخص تھا وہ بھی شکیلؔ بستی میں
حقیقتوں کو ہمیشہ جو خواب لکھتا رہا

غزل

بہاروں میں مہکتے پھول کی اک انجمن ہم ہیں
محبت کے اخوت کے حسیں دلکش چمن ہم ہیں

کسی بھی بات کا شکوہ لبوں پر ہم نہیں رکھتے
جو اپنی رَو میں بہتے ہیں وہی گنگ و جمن ہم ہیں

محبت سے محبت کو کوئی پیغام بھیجا تھا
بس اتنی بات پر کیوں قابل دارو رسن ہم ہیں

ہمارے عشق سے ہی حسن کا پیکر نکھرتا ہے
ترے حسن تخیل کا حسیں اک بانکپن ہم ہیں

یہاں کے ذرّے ذرّے میں ہمارا خون شامل ہے
بہاریں ہم سے روشن ہیں یہاں جانِ وطن ہم ہیں

فضاؤں کو معطر کرتے ہیں ہم اپنی خوشبو سے
کبھی چمپا کبھی بیلا کبھی جوہی سمن ہم ہیں

غزل

دل کے زخموں کو بھی ہر حال میں بھر جاتا ہے
وقت جیسے بھی گزرتا ہے گزر جاتا ہے

وقت لگ جاتا ہے اک زخم کو بھرتے بھرتے
اتنی جلدی کہاں لہجے کا اثر جاتا ہے

اُس کا اندازِ تبسم تو خدا خیر کرے
تیر کی طرح کلیجے میں اُتر جاتا ہے

گردشِ وقت کے تیور بھی عجب ہوتے ہیں
تپتا سورج بھی اندھیروں میں اُتر جاتا ہے

کوچۂ یار میں کچھ ایسی کشش ہے یارو!
دل نہیں کرتا ہے جانے کو مگر جاتا ہے

دیش کی آن پہ جو جان لٹا دے اپنی
بن کے خوشبو وہ فضاؤں میں بکھر جاتا ہے

عزتِ نفس پہ کچھ آنچ نہ آنے دوں گا
سر بھی جاتا ہے چلا جائے اگر جاتا ہے

غزل

دل نشیں چاند سے چہروں کی عطا یاد نہیں
ہم کو اب کوئی محبت کی ادا یاد نہیں

بے خبر موت سے دنیا کی طلب میں ہم لوگ
ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خدا یاد نہیں

پہلے جو جان لٹانے کی قسم کھاتے تھے
''ہم سے کہتے ہیں وہی عہد وفا یاد نہیں''

تشنگی اب تو مقدر میں لکھی ہو جیسے
برسی ہوگی کبھی ساون کی گھٹا یاد نہیں

اب مجھے پاٹھ نہ نفرت کے پڑھائے کوئی
کچھ مجھے عشق و محبت کے سوا یاد نہیں

دھوپ ہی دھوپ نظر آتی تا حد نظر
کیسی ہوتی ہے وہ گھنگور گھٹا یاد نہیں

بے ارادہ میں نکل آیا ہوں یونہی گھر سے
مجھ کو جانا ہے کہاں کوئی پتہ یاد نہیں

روٹھے روٹھے ہوئے سرکار نظر آتے ہیں
کیا ہوئی مجھ سے خطا مجھ کو خطا یاد نہیں

قہقہے خوب لگاتے ہیں جو غفلت میں شکیلؔ
اتنے بد مست ہیں کہ اُن کو قضا یاد نہیں

●●●

غزل

صدائیں دیتی ہیں منزل کی سیڑھیاں مجھ کو
نہ روک پائیں گی پیروں کی بیڑیاں مجھ کو

چراغِ عزم ہوں میں حوصلوں سے جلتا ہوں
بجھا نہ پائیں گی نفرت کی آندھیاں مجھ کو

مجھے سکھائی گئی ہے بلند پروازی
قفس کی روک نہ پائیں گی تیلیاں مجھ کو

یہ اُن سے کہہ دو کہ تلوار ہم بھی رکھتے ہیں
ڈرا رہے ہیں دکھا کے جو برچھیاں مجھ کو

یہ کس نے باغ میں کلیوں کی عصمتیں لوٹیں
سنائی دیتی ہیں رہ رہ کے سسکیاں مجھ کو

زمانہ عزم کو میرے سلام کرتا ہے
ڈبو نہ پائیں گی کاغذ کی کشتیاں مجھ کو

شکیلؔ آج شراروں کی زد میں ہے گلشن
کہ جھلسی جھلسی نظر آئیں تتلیاں مجھ کو

غزل

مجھ کو عزیز ہے وہ مری جان کی طرح
پڑھتا ہوں اس کو میرؔ کے دیوان کی طرح

تم تو ہو شیخ و سید و افغان کی طرح
کردار بھی بناؤ مسلمان کی طرح

میں وقت کے لعین سے ڈرتا نہیں کبھی
میں سر اٹھا کے چلتا ہوں سلطان کی طرح

اہل خرد بھی دیکھ کے حیران رہ گئے
ہم نے غزل جو چھیڑی ہے خاقان کی طرح

اس کے لبوں سے پھول کی خوشبو مہکتی ہے
اس کا وجود لگتا ہے گلدان کی طرح

آنکھوں میں میرے قرب کے آنسو اُمنڈ پڑے
اُس نے ملایا ہاتھ جو انجان کی طرح

اپنا وجود جس نے جلایا ہے دھوپ میں
خوشبو وہ بن کے مہکا ہے لوبان کی طرح

اس کے لبوں پہ بات ہے امن و امان کی
حرکت مگر وہ کرتا ہے شیطان کی طرح

نفرت کی لنکا خاک میں مل جائے گی شکیلؔ
کردار کوئی لائے ہنومان کی طرح

●●●

غزل

جدید طرز کے دیوار و در نکل آئے
زمین چیر کے کھیتوں سے گھر نکل آئے

عجیب چیز ہے دولت بھی پاس آئی تو
ہر ایک خواہش بے جا کے پر نکل آئے

جہاں میں جب سے بڑھی ہے یہ اندھ وشواسی
تمام جھوٹے خداؤں کے سر نکل آئے

جو اس کی چشم عنایت سے ہو گئی بارش
اُداس خشک شجر میں ثمر نکل آئے

تمہاری سیج پہ بھی ہوں گے خون کے دھبے
مہکتے پھولوں میں کانٹے اگر نکل آئے

یہ بات آج بھی ہم کو سمجھ نہ آئی شکیلؔ
کدھر تھا جانا ہمیں ہم کدھر نکل آئے

غزل

محبت کے نغمے سنانے سے پہلے
بہت رویا دل مسکرانے سے پہلے

ذرا اپنی جانب نظر کیجئے گا
مرے حال پر مسکرانے سے پہلے

محبت کی راہوں میں دُشواریاں ہیں
بہت سوچ لیں آنے جانے سے پہلے

طہارت ضروری ہے دل کی نظر کی
درِ عشق پر سر جھکانے سے پہلے

وہی میرا قاتل وہی ہے مسیحا
بہت رویا مجھ کو مٹانے سے پہلے

نظر اپنی رکھنا مخالف ہوا پر
چراغِ محبت جلانے سے پہلے

شکیلؔ آنسوؤں میں نہانا پڑے گا
محبت کی مورت بنانے سے پہلے

غزل

محبت کے سارے بھرم توڑ دوں گا
ترا نام لکھ کر قلم توڑ دوں گا

مری دوستی پھول سے ہو گئی ہے
میں پتھر کے سارے صنم توڑ دوں گا

تو ہی زندگی ہے تو ہی بندگی ہے
ترے عشق میں ہر قسم توڑ دوں گا

تجھے آئنہ زندگی کا دکھا کر
ترے دل میں ہم جو ہے ہم توڑ دوں گا

جہاں پر بغاوت کی ہوتی ہے پوجا
میں سب ایسے دیر و حرم توڑ دوں گا

تری جلوہ گاہِ محبت کی خاطر
تری ہی قسم ہر قسم توڑ دوں گا

شکیلؔ ایسا لگتا ہے فرقت میں اُس کی
کسی روز گھٹ گھٹ کے دم توڑ دوں گا

غزل

مہکی ہوئی فضاؤں کی تاثیر بھیج دے
آنکھیں اُداس ہو گئیں تنویر بھیج دے

یادوں کے تیرے پھول بھی مرجھا چکے ہیں اب
ہنستے ہوئے گلاب کی تصویر بھیج دے

بیمار تیرا اب تو لب مرگ ہو گیا
گر ہو سکے تو نسخۂ اکسیر بھیج دے

آنکھیں ہماری ترسی ہیں دیدار کے لئے
البم سے اپنے پیاری سی تصویر بھیج دے

میرے قدم نہ اُٹھیں کسی اور کی طرف
پیروں کو میرے پیار کی زنجیر بھیج دے

غزلوں کی آبیاری کرے خونِ دل سے جو
بزمِ سخن میں ایسا کوئی میرؔ بھیج دے

لفظوں میں جس کے پیار کی تاثیر ہو شکیلؔ
خونِ جگر سے لکھی وہ تحریر بھیج دے

غزل

اندھیری رات کے سائے نہ روشنی اپنی
عجیب حال میں کٹتی ہے زندگی اپنی

تڑپ تھی دل میں کہ حاصل ہو پھول کی خوشبو
اُلجھ کے رہ گئی کانٹوں سے زندگی اپنی

نظر سے کوئی پلائے تو کوئی بات بنے
سمندروں سے بجھے گی نہ تشنگی اپنی

سکون دشت میں، محفل، نہ میکدے میں ملا
کہاں کہاں لئے پھرتی ہے بے کلی اپنی

جمال یار کی تابانیاں تو دیکھو شکیلؔ
خجل ہے لگتی ستاروں کو روشنی اپنی

غزل

کہیں غم کے سائے کہیں پر خوشی ہے
یہی زندگی ہے یہی زندگی ہے

یہی میری پوجا یہی بندگی ہے
''محبت نہیں ہے مری زندگی ہے''

محبت سے اپنے جو لب کھولتی ہے
وہ گویا کہ کانوں میں رَس گھولتی ہے

بہت سوچ لینا محبت سے پہلے
محبت جگر کا لہو مانگتی ہے

خیالوں میں آیا ہے وہ ماہ پیکر
کہ حدِ نظر روشنی روشنی ہے

کہیں غم کے آنسو کہیں آہ و زاری
زمانے کو کس کی نظر لگ گئی ہے

اندھیروں میں ڈوبی ہوئی زندگانی
نویدِ سحر کا پتا ڈھونڈتی ہے

چمن کو جلایا تعصب نے لیکن
عجب ہے کہ شاخِ محبت ہری ہے

شکیلؔ اُس کی یادیں ستاتی ہیں دل کو
جو باغوں میں کوئل کبھی بولتی ہے

●●●

قطعات

ظلم سے جبر سے ہر حال میں لڑنا سیکھو
بے خطر شان سے حق بات پہ اَڑنا سیکھو
درس دیتا ہے مجھے روز نکلتا سورج
زندہ رہنا ہے تو حالات سے لڑنا سیکھو

.....

جسے چاہے وہ اعلیٰ قافلہ سالار دیتا ہے
کہاں ہر قوم کو وہ حیدر کرار دیتا ہے
کسی کو بخش دیتا ہے مہکتے پھول کی چادر
کسی کے نام پر وہ دھوپ کی دیوار دیتا ہے

.....

ریگ زاروں میں قدم اپنے جمانا سیکھ لے
لاکھ غم ہو زندگی میں مسکرانا سیکھ لے
تیری جرأت پر زمانہ سرنگوں ہو جائے گا
وقت کے فرعون سے نظریں ملانا سیکھ لے

.....

کبھی انساں کبھی انساں کا جوہر بولتا ہے
خدا کی مصلحت گر ہو تو پتھر بولتا ہے
مری وسعت کا اندازہ تجھے شاید نہیں کچھ
میں قطرہ ہوں مرے اندر سمندر بولتا ہے

.....

عجیب رنگ میں ڈوبی ہے زندگی کی بہار
کہیں خوشی تو کہیں غم کے پھول کھلتے ہیں
میں کام لیتا نہیں مصلحت پسندی سے
سناں کی نوک پہ میرے اصول کھلتے ہیں

.....

شرم سے اہل بصیرت پانی پانی ہو گئے
ایسے ویسے لوگ بھی جب خاندانی ہو گئے
تو ہے کیا تیری حقیقت کیا تری اوقات ہے
وقت کے دارا سکندر بھی کہانی ہو گئے

.....

غضب غضب کے کھیل دکھانا پڑتا ہے
رسی کو بھی سانپ بنانا پڑتا ہے
جیسے تیسے کام چلانے کی خاطر
بہروں کو بھی گیت سنانا پڑتا ہے

ہے میرے ہاتھ میں تلوار عزم محکم کی
اٹھا جو میرا قدم ہے یہ رُک نہیں سکتا
یہ اور بات کہ شانے پہ سر رہے نہ رہے
کسی یزید کی چوکھٹ پہ جھک نہیں سکتا

.....

تشنہ لبی کا کرب جو حد سے گزر گیا
مارا زمیں پہ پاؤں تو چشمے ابل پڑے
تاریکیوں کا زور نہیں کچھ بھی چل سکا
سورج کو سر پہ لیکے جیالے نکل پڑے

.....

نفس نفس کا ہے مالک وہ پالنے والا
اندھیری رات سے سورج نکالنے والا
خدا کے قہر سے ہرگز نہ بچ سکے گا کبھی
کسی غریب کی پگڑی اچھالنے والا

.....

صوفیانہ مزاج رکھتے ہیں
دردِ دل کا علاج رکھتے ہیں
ہم ہیں ایسے فقیر یزدانی
اپنی ٹھوکر میں تاج رکھتے ہیں

زندگی کو تری ضرورت ہے
تو پری سے بھی خوبصورت ہے
تیری یادیں ہیں اس طرح دل میں
جیسے مندر میں کوئی مورت ہے

.....

سسک سسک کے کوئی آہ بھر کے روتا ہے
یہ حادثہ تو یہاں روز روز ہوتا ہے
امیر شہر کی میت پہ ہے ہجوم بہت
غریب شہر کے مرنے پہ کون روتا ہے

.....

کیسی اٹھلاتی ہے مچلتی ہے
جب ہوا اپنا رخ بدلتی ہے
تھک کے بیٹھو گے ہار جاؤ گے
زندگی حوصلوں سے چلتی ہے

.....

کانپتے ہاتھ میں تلوار نہیں آئے گی
سرنگوں سر پہ بھی دستار نہیں آئے گی
لطف لینا ہے بہاروں کا تو باہر نکلو
کوئی خوشبو پسِ دیوار نہیں آئے گی

جو دل میں ائے اپ وہی کام کیجئے
لیکن ہمیں نہ مورد الزام کیجئے
یہ حق جناب اپ کو کس نے عطا کیا
عزت کسی غریب کی نیلام کیجئے

.....

ہے میرے ہاتھ میں تلوارعزم محکم کی
اٹھا جو میرا قدم ہے یہ رک نہیں سکتا
یہ اور بات کہ شانے پہ سر رہے نہ رہے
کسی یزید کی چوکھٹ پہ جھک نہیں سکتا

.....

تشنہ لبی کا کرب جو حد سے گزر گیا
مارا زمیں پہ پاؤں تو چشمے ابل پڑے
تاریکوں کا زور نہیں کچھ بھی چل سکا
سورج کو سر پہ لے کے جیالے نکل پڑے

●●●